دیوانِ حالی

جس میں قطعات۔ غزلیات۔ قصیدے۔ مرثیے
ترکیب بند۔ رباعیاں۔ تاریخیں۔ اور
اور متفرق اشعار شامل
ہیں

مصنفہ

الطاف حسین حالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

کچھ کذب وافترا ہے کچھ کذبِ حق نُما ہے
یہ ہی بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

ایک زمانہ تھا کہ شاعری اورعشق عاشق ہونا ۱۲ یا تعشّق عاشق بننا ۱۲ کو لازم وملزوم سمجھتے تھے۔ اور ایسا سمجھنا کچھ بے وجہ نہ تھا اول تو خود شعر کا حدوث ہی دنیا میں اُس جوش اور ولولہ سے ہوا ہی۔ جو عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور شعر کی ذات میں جو ایک آتشگیر مادہ ہی وہ بھی اپنے مشتعل ہونے میں کسی آگ کی اشتعالک کا محتاج ہی۔ پھر قوُم[8] کا کلام بھی جہاں تک دیکھا گیا اِسی خیال کی تائید کرتا تھا۔ بانہمہ حداثتِ سِن یہ کب اجازت دیتی تھی کہ شاہدِ رعنائے سخن کا نظارہ ایک پیرزال کی صورت میں کیا جائے اور شراب ارغوانی کی جگہ سرکۂ بے نمک سے ضیافت طبع کی جائے۔ غرضکہ ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا۔ بلکہ جس شعر میں یہ چاشنی نہ ہوتی تھی اُسپر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی جب کبھی یہ سودا اُچھلا آنکھیں بند کیں اور اُسی شارع عام پر پڑلیے جسپر رہگیروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ قافلہ کا ساتھ۔ راہ کی ہمواری۔ اور رہگذر کی فضا چھوڑکر

---

[8] قوم سے یہاں اُس کے متعارف معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں قوم سے مراد شعرا ہیں ۱۲

دوسرا رستہ اختیار کرنے کا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ مگر جب آفتاب عمر نے پلٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا۔ وہ تمام سیمیائی جلوے جو خواب غفلت میں حقائق سے زیادہ دلفریب نظر آتے تھے رفتہ رفتہ کافور ہونے لگے۔ غزل و تشبیب کی اُمنگ انفعال کے ساتھ بدل گئی۔ اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہرچند سمجھایا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب آئے ہیں مگر یہی جواب دیا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

„ یقولون ھل قبل الثلثین مَلْعَبٌ   فقلتُ وھل بعد الثلثین مَلْعَبٌ “

جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹخارے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہاں مونہ کو لگا پھر ذرا مشکل سے چھُٹتا ہے۔ مگر زمانہ کی ضرورتوں نے یہ سبق پڑھایا کہ دلفریب مگر نکمّی باتوں پر آفرین سننے سے دلشکن مگر کام کی باتوں پر نفرین سُننی بہتر ہے۔ اور حاکم وقت نے یہ حکم دیا کہ پروانہ و بلبل کی قسمت کو تو بہت رو چکے۔ کبھی اپنے حال پر بھی دو آنسو بہانے ضرور ہیں۔

یکرہ بحالِ خویش ہم آخر تواں گریست   تا چند بر فلان و بہمان گریستن

کچھ نظمیں قوم کی حالت پر لکھی گئیں۔ بعضوں نے پسند کیں اور بعضوں نے ناپسند۔ مگر چوٹ سب کے دل پر لگی۔ کہانی بے مزہ تھی مگر آپ بیتی۔ اور باتیں اوپری تھیں مگر پتے کی۔ جو نظمیں کسیقدر طولانی تھیں وہ تقریباً تمام چھپ چکی اور شائع ہو چکی ہیں۔ اب زیادہ تر کچھ بچے کھُچے متفرق اور پراگندہ خیالات باقی ہیں۔ جنمیں سے کسیقدر قطعہ و رباعی کے لباس میں ہیں اور کچھ غزل کے روپ میں ظاہر کئے گئے ہیں ان کے سوا چند ترکیب بند۔ ایک آدھ مسمط۔ کچھ قصیدے اور کچھ تاریخیں ہیں جنمیں سے اکثر خاص خاص

---

8 یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس سے پہلے ہی ہے؟ سو میں نے اُنسے کہا کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس کے بعد ہے؟ ۱۲

طور پر وقتاً بعد وقتٍ شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن مصنف کی طرف سے عام طور پر پبلک کی نذر نہیں ہوئیں پہلا کلام جو عالمِ جہل و نادانی یا خلاصۂ زندگانی کی نشانی ہے وہ بھی کسیقدر تلف ہو جانے کے بعد جسقدر بچا ہے اب تک محفوظ ہے۔ انسان کی طبیعت کا مقتضٰے ہے کہ جو کام اُسکی تھوڑی یا بہت کوشش سے سرانجام ہوتا ہے عام اِس سے کہ اچھّا ہو یا بُرا اور پسند کے لائق ہو یا نہ ہو وہ اُسکو بڑے فخر کے ساتھ پبلک میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ اور خاص و عام سے اپنی کوشش کی داد چاہتا ہے جس فخر کے ساتھ کہ وہ اعرابی[B] جسنے کبھی آبِ شیریں کا مزہ نہ چکھّا تھا ایک کھاری پانی کے چشمہ سے مشک بھر کر ہاروں رشید کے دربار میں بطور سوغات کے لے گیا تھا۔ وہ اُس فخر سے کچھ کم نہ تھا جو کُلمبس امریکا دریافت کر کے اِزبلا کے دربار میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ پس یہ تمام مجموعہ جسمیں کچھ نئے اور کچھ پُرانے خیالات شامل ہیں محض ایک امید موہوم پر کہ دیکھئے مردود ہو یا مقبول۔ مُلک کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور پہلے اس سے کہ کوئی ہم پر ہنسے ہم اپنے دعووں پر آپ ہنستے ہیں۔

شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات میں پہلے زمانہ کی نسبت حقائق و واقعات کا کچھ زیادہ جلوہ نظر آئے۔ اور جیسی کہ امید کیجاتی ہے اِن خیالات کو سچّی شاعری کا ایک نمونہ تصور کیا جائے مگر یہ بات کہ جیسے یہ خیالات کانوں کو سچّے معلوم ہوتے ہیں ایسے سچّے دل سے بھی نکلے ہیں یا نہیں خود ہمکو بھی معلوم نہیں۔ تا بدیگراں چہ رسد۔ جیسا کام محض سچّے جوش اور ولولہ سے ہوتا ہے ویسا ہی

[B] یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے یعنی ہاروں رشید کے زمانہ میں ایک بدوی جسنے کبھی دجلہ کے شیریں پانی کا مزا نہ چکھا تھا۔ اُس کو صحرا میں ایک چشمہ ملا۔ جس کا پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا۔ لیکن جیسا شور پانی کہ وہ بدوی ہمیشہ پیا کرتا تھا اُس سے کسیقدر میٹھا تھا۔ وہ خوشی خوشی اُس کی ایک مشک بھر کر بغداد میں پہنچا۔ اور خلیفہ کے دربار میں اُس کو بطور ایک عِلقِ نفیس کے پیش کیا۔ خلیفہ نے اُس کو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا۔ مگر اُس کی بدمزگی بدوی پر ظاہر نہیں ہونے دی۔ اور اُس کو انعام دے کر رخصت کیا۔ اور حکم دیدیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے ورنہ اپنے دل میں شرمندہ ہوگا۔ ۱۲

بلکہ بعض اوقات اُس سے بہتر محض شہرت اور ناموری کی خواہش۔ تحسین وآفرین کے لالچ۔ جلب منفعت کی توقع۔ یا کم سے کم اپنا دل خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور خود کرنے والے کو اپنے کام کا منشا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگرچہ ہم اُس وقت نہونگے۔ مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور دودھ اور پانی کو الگ کیئے بغیر نہ رہے گا۔ سچ پھولے گا اور پھلے گا۔ اور جھوٹ برسات کے سبزہ کی طرح جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔

"وکُم قد رَأَینا من فُروعِ کثیرۃٍ تَمُوتُ۔ اذالم یحُیِہنّ اصولُ"

ناظرین کو معلوم رہے کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلتے ہیں تو خیالات کے ساتھ طرزِ بیان نہیں بدلتی۔ گاڑی کی رفتار میں فرق آجاتا ہے مگر پیّا اور دُھرا بدستور باقی رہتا ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے خیالات بہت کچھ بدل دیئے تھے۔ مگر اسلوب بیان میں مُطلق فرق نہیں آیا۔ جو تشبیہیں اور استعارے پہلے مدح۔ ہجا۔ غزل اور تشبیب میں برتے جاتے تھے وہی اب توحید۔ مناجات۔ اخلاق اور موعظت میں استعمال ہونے لگے۔ خاصکر شعر میں اس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہو کہ متاخرین قدیم شعرا کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں مگر اُن کے طریقۂ بیان سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ جس طرح کسی غیر مُلک میں نئے وارد ہونے والے سیاح کو اس بات کی ضرورت ہو کہ ملک میں روشناس ہونے اور اہل ملک کے دل میں جگہ کرنے کے لیئے اُسی ملک کی زبان میں گفتگو کرنی سیکھے۔ اور اپنی وضع۔ صورت اور لباس کی اجنبیت کو زبان کے اتحاد سے بالکل زائل کر دے۔ اِسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی

---

8 ترجمہ۔ ہمنے وہ شاخیں اکثر سوکھتی دیکھی ہیں جن کی جڑیں اس قابل نہ تھیں کہ اپنی شاخوں کو سرسبز رکھ سکیں ۱۲

سخت ضرورت ہو کہ طرز بیان میں قدما کی طرز بیان سے بہت دور نہ جا پڑے۔ اور جہاں تک ممکن ہو اپنے خیالات کو انھیں پیرایوں میں ادا کرے۔ جنسے لوگوں کے کان مانوس ہوں۔ اور قدما کا دل سے شکرگذار ہو جو اُسکے لیئے ایسے منجھے ہوئے الفاظ و محاورات و تشبیہات و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

کچھ تعجب نہیں کہ اِس مجموعہ کو اور نیز اُن نظموں کو جو پہلے شائع ہو چکی ہیں دیکھکر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہو کہ اِن میں نئی بات کون سی ہے؟ نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گذرے ہوں۔ اور نہ طرز بیان ہی میں کوئی ایسی جدّت ہو جس سے کبھی کان آشنا نہ ہوئے ہوں اور یہ سمجھکر وہ بے اختیار پکار اُٹھیں کہ "ھٰذَا الَّذِی رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ"، پس اُن کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ بے شک طرزِ ادا میں جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا وہ بہت کم فرق پائیں گے۔ مگر خیالات میں ذرا بھی غور فرمائیں گے تو اُن کو ایک دوسرا عالم نظر آئے گا۔ وہ دیکھیں گے کہ گو محمل نہیں بدلے مگر محمل نشین بدل گئے ہیں۔ اور گو پیالے وہی ہیں مگر شراب اور ہے۔

نئے خیالات سے ایسے خیالات ہرگز مراد نہیں ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گذرے ہوں۔ یا کسی کے ذہن کی اُن تک رسائی نہ ہو سکے۔ بلکہ ایسے خیالات مراد ہیں جو شاعر و ناشاعر کے دل میں ہمیشہ گذرتے ہیں اور ہر وقت اُن کے پیش نظر ہیں مگر اس وجہ سے کہ وہ ایسے پامال اور مبتذل ہیں اُنکو حقیر سمجھکر چھوڑ دیا گیا اور اُن کی طرف بہت کم التفات کیا گیا۔ اور پایۂ شاعری کو اُن سے وراء الورا

---

8 قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب اہل جنت کو کوئی جنت کا پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے هذا الذی رزقنا من قبل (یعنے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا) کیونکہ جنت کے میوے صورت میں یکساں معلوم ہوں گے مگر ہر ایک کا مزا اور لذت جُدا ہوگی ۱۲

سمجھا گیا ہے۔ لیکن فی الحقیقۃ شاعری کا بھید انھیں متبذل خیالات میں چھپا ہوا تھا جو بسبب غایتِ ظہور کے لوگوں کی نظر سے مخفی تھا۔

دیکھ اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر   پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے

انسان میں جیسا کہ ظاہر ہی ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو عدمِ محض سے وجود میں لا سکے۔ اُسکی بڑی دَوڑ یہی ہے کہ وہ موجودات میں سے چند چیزوں کو ترکیب دے کر اس میں ایک نئی صورت پیدا کر دے۔ پس جس طرح معمار عمارت تیار کرنے میں اینٹ مٹی اور چونہ کا۔ یا بڑھئی ایک تخت کے بنانے میں لکڑی اور لوہے کا محتاج ہے۔ اسیطرح ضرور ہے کہ شاعر بھی کسی شعر کے ترتیب دینے میں کسی ایسے مصالح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لوہے کی طرح نفس الامر میں موجود ہو۔ وہ مصالح کیا ہے؟ یہی دنیا کے حالات جو روزمرّہ ہماری آنکھوں کے سامنے گذرتے ہیں۔ خواہ وہ انسان سے علاقہ رکھتے ہوں۔ یا زمین۔ آسمان۔ چاند۔ سورج۔ پہاڑ اور دریا جیسی شاندار چیزوں سے۔ یا مچھّر۔ مکڑی اور بُھنگے جیسی بے حقیقت چیزوں سے۔ پس جس شاعر نے ان حالات کو معمولی باتیں سمجھکر چھوڑ دیا۔ اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور ناممکن باتوں پر رکھنی چاہی۔ اُسکی مثال اُس معمار کیسی ہوگی جو عمارت بنانے کے لئے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ ایسے مصالح کی ضرورت سمجھتا ہے جس سے عمارت تیار نہیں ہو سکتی۔

“ ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی   کایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست ”

الغرض جبسے شاعری کی لے کھُلی۔ معمولی شکار چھوڑ کر عنقا کی گھات میں بیٹھنا اور زمین پر ساگ پات کے ہوتے آسمان سے نزولِ مائدہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا۔ زمانہ کے حالات دیکھکر جو

کیفیتیں نفس پر طاری ہوتی رہیں اور جن واقعات کے سُننے سے دل پر چوٹ لگتی رہی اُنکو وقتًا فوقتًا اپنے سلیقہ کے موافق شعر کا لباس پہناتے رہے۔ بعض خیالات بحسبِ ضرورتِ وقت اقوالِ سلف یا حکایات سلف سے اخذ کیئے گئے۔ کہیں اُن کو اپنے حال پر رہنے دیا اور کہیں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر کے اُسکو ایک نئی صورت میں جلوہ گر کیا گیا۔ بعض قطعات و رباعیات میں اخلاقی مضامین کنایہ میں ادا کیئے گئے جو شائد کہیں کہیں مطائبہ کی حد کو پہنچ گئے ہوں مگر انوری و سعدی و شفائی کے مطائبات کے آگے یقینًا بے نمک معلوم ہوں گے۔ ریا و مکر و سالوس و عُجب و خود پسندی اور اَور اسی قسم کے۔ اخلاق واعظ و زاہد و صوفی و شیخ و مُلا پر ڈھالے گئے۔ نہ اسلیئے کہ نعوذ باللہ اس فرقۂ علیہ کی مذمت مقصود تھی۔ بلکہ اسلیئے کہ ان اخلاق کے بیان کرنے کا اس سے واضح تر کوئی عنوان نہ تھا۔ سیاہی کا دھبّا جیسا اُجلے کپڑے پر صاف نمایاں ہوتا ہے ایسا میلے کپڑے پر نہیں ہوتا۔ ظلم اور بے انصافی کے مرتکب اپنی اپنی طاقت کے موافق فقیر اور بادشاہ دونوں ہوتے ہیں۔ مگر جب ظلم کو زیادہ ہولناک صورت میں دکھانا منظور ہوتا ہی تو وہ ہمیشہ سلطنت کے لباس میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسیطرح ریا و عُجب و خود پسندی اگرچہ ہر فرد بشر میں کم و بیش پائی جاتی ہے۔ مگر جب اُسکو علم و زہد و مشیخت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو وہ زیادہ تعجب انگیز اور ڈراونی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی شاعری کی علّتِ غائی ہے۔

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہے تو اُسکو بضرورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اسلیئے ہمکو بھی کہیں کہیں ناصح بننا پڑا ہے۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان میں بہت بڑا فرق ہی۔ اصلی ناصح خود بُرائیوں سے پاک ہوکر اوروں کو اُن سے

باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ مگر شاعر چونکہ برائیوں کی ہو بہو تصویر کھینچکر دکھاتا ہے۔ اور گھر کے بھیدی کیطرح چھپے رُستموں کے پتّرے کھولتا ہے۔ اسلیئے سمجھنا چاہیئے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اوروں پر دھر کر ظاہر کرتا ہے۔ ہر بدی اور گناہ کا نمونہ کم یا زیادہ۔ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس میں موجود ہے۔ پس اگر بدی یا گناہ کے متعلق کوئی پتے کی بات شاعر کی قلم سے مترشح ہو تو جاننا چاہیے کہ وہ اپنے ہی نفس کی چوریاں ظاہر کر رہا ہے۔

ہیں عاشقی کی گھاتیں معلوم اسکو ساری　　**حالی** سے بدگمانی بیجا نہیں ہماری

شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ عذر ہو سکے کہ اُسمیں فطرتِ انسانی کے دقائق و غوامض سمجھنے کا ایک خداداد ملکہ ہوتا ہے جسکی مدد سے بعض اوقات ایک رند مشرب اور خراباتی شاعر جس پر پرہیزگاری کی کبھی چھینٹ نہ پڑی ہو وہ پرہیزگاروں کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ خود اُس سوسائٹی کے ممبر بھی اپنی سوسائٹی کا ویسا نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔ اسیطرح ایک دوسرا شاعر جسنے پرہیزگاروں اور پارساؤں کے حلقہ سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا وہ رُنود و اوباش کی صحبتوں کا ایسا چربا اُتار دیتا ہے کہ گویا اُنھیں میں سے ایکنے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہے۔ **ابو نواس** نے بارہا خلیفہ سے ایک مصرع سُنکر جسمیں رات کے تخلیہ اور عیش و عشرت کی صحبت کی طرف ایک اجمالی اشارہ ہوتا تھا۔ اُس مصرع کی تضمین میں ایسے وقعات بیان کر دیئے ہیں کہ خلیفہ متعجب ہو کر بے ساختہ یہ کہہ اُٹھتا تھا " قَاتَلَکَ اللّٰہُ[8] کَاَنَّکَ کُنْتَ ثَالِثَنَا " **شکسپیر** جسکے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اور تماشا کرنیوالے

---

[8] ترجمہ۔ خدا تجھکو شرمائے گویا کہ تیسرا ہم میں تو تھا تونے ایسے صحیح واقعات بیان کیئے ہیں کہ گویا تو بھی ہماری صحبت میں شریک تھا ۱۲

تھے اور جنہنے کبھی آنکھ کھولکر عالی خاندان اور شریف و پاکیزہ عورتوں کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی اُسنے میکبت۔ جولیٹ۔ کیتھراین۔ ڈزڈمونا۔ اور بعض اَور لیڈیوں کے ایسے اصلی کیرکٹر دکھائے ہیں جن کا اُس سوسائٹی پر جسمیں اُسکی عمر گذری تھی کبھی پرچھاواں تک نہ پڑا تھا۔ ایران میں فردوسی اور ہندوستان میں انیس۔ رزم کے بیان میں صدہا باتیں ایسی ٹھکانے کی لکھ جاتے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات گویا خود اُنپر گذرے تھے۔

اس عذر سے اگرچہ کسیقدر شاعر کی برائت ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی اُسکو واعظ و ناصح کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ ناصح کی غرض براہِ راست ارشاد و ہدایت ہوتی ہے۔ بخلاف شاعر کے کہ اُسکا اصل مقصود فطرت انسانی کی کُرید۔ اور واقعاتِ دہر سے متاثر ہو کر دل کی بھڑاس نکالنی ہے اور بس۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لیئے نہیں چلّاتا بلکہ خود کچھ سمجھکر چیخ اُٹھتا ہے۔

ناصحِ مشفق ہیں یاروں کے نہ مُصلح اور مُشیر دردمند اُنکے نہ اُنکے درد کے درماں ہیں ہم
پھوٹ پڑتے ہیں تماشا اِس چمن کا دیکھکر نالۂ بے اختیارِ بلبلِ نالاں ہیں ہم

پس اگر شاعر کا کوئی قول اُسکے فعل کے برخلاف پایا جائے تو اُسکو واعظ یا ناصح قرار دیکر یہ الزام دینا نہیں چاہیئے کہ "أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ"۔ بلکہ اُسکی طرف سے یہ عذر کرنا چاہیئے کہ "أَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ"

انسان کے کلام میں کہیں کہیں اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات ہی بلکہ اُسکے کلام کی پہچان ہی یہ بتائی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا"۔ مگر جسطرح ایک فلسفی یا مورّخ کی تصنیف میں اختلاف پایا جانا

اُس تصنیف کو عیب لگاتا ہے۔ اسطرح شاعر کے کلام کو عیب نہیں لگاتا بلکہ اُسکا بیساختہ پن ظاہر کرتا ہے جسکو شاعری کا زیور سمجھنا چاہیئے۔ فلسفی یا مؤرخ ہر ایک چیز پر اُسکے تمام پہلو دیکھکر ایک مستقل راے قائم کرتا ہے۔ اور اسلیئے ضرور ہے کہ اُسکا بیان جامع و مانع ہو۔ لیکن شاعر کا یہ کام نہیں ہی۔ بلکہ اُسکا کام یہ ہے کہ ہر ایک شئے کا جو پہلو اُسکے سامنے آئے۔ اور اُسسے کوئی خاص کیفیت پیدا ہوکر اُسکے دل کو بے چین کردے اُسکو اُسیطرح بیان کرے پھر جب دوسرا پہلو دیکھکر دوسری کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے خلاف ہو اُسکو اُس دوسری کیفیت کے موافق بیان کرے۔ وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہیں لکھتا تاکہ اُسکو حقائق وواقعات کے ہر ایک پہلو پر نظر رکھنی پڑے۔ بلکہ جسطرح ایک فوٹوگرافر ایک ہی عمارت کی کبھی روکار کا۔ کبھی پچھیت کا۔ کبھی اس ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جدا جدا نقشہ اُتارتا ہے۔ اسیطرح شاعر حقائق وواقعات کے ہر ایک پہلو کو جدا جدا رنگ میں بیان کرتا ہے۔ پس ممکن ہی کہ شاعر ایک ہی چیز کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت۔ اور ممکن ہی کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے اور بُری چیز کی تعریف۔ کیونکہ خیر محض کے سوا ہر خیر میں شر کا پہلو۔ اور شر محض کے سوا ہر شر میں خیر کا پہلو موجود ہے۔ عقل۔ علم۔ زہد۔ دولت۔ عزت اور آبرو عموماً ممدوح ومقبول سمجھی جاتی ہیں۔ مگر شعرا نے انکی جا بجا مذمت کی ہے۔ اسیطرح دیوانگی۔ نادانی۔ رندی۔ فقر۔ ذلت اور رسوائی عموماً مذموم و مردود گنی جاتی ہیں۔ لیکن شعرا انکے اکثر مدّاح رہے ہیں۔

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہے اور کبھی دوسری حیثیت سے اس سے نفرت دلاتا ہے۔ وہ کبھی قدما کے مقابلہ میں اسلیئے کہ وہ اُستاد اور موجد فن تھے اپنے

تئیں ناچیز و بے حقیقت بتاتا ہے۔ اور کبھی اسلیئے کہ اسنے اُنکی دولت میں کسیقدر اپنی کمائی بھی شامل کی ہی جو اُنکے پاس نہ تھی اپنے تئیں اُنپر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کبھی دنیا کی اسلیئے تحقیر کرتا ہے کہ وہ دار الغرور و دار المحن ہی۔ اور کبھی اُسکی بڑائی و عظمت اسلیئے بیان کرتا ہے کہ وہ مزرعۂ آخرت ہی وہ ایک ہی گورنمنٹ کی کبھی اُس کی خوبیوں کے سبب سے ستایش کرتا ہے اور کبھی اُس کی ناگوار کارروائیوں کے سبب شکایت۔ مگر وہ کبھی اُن حیثیتوں کی تصریح نہیں کرتا جن پر اُسکے مختلف بیانات مبنی ہوتے ہیں۔ جب ایک پہلو کو بیان کرتا ہے تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول جاتا ہی۔ وہ ایک نادان بچہ کیطرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہے اور کبھی ہنسنے لگتا ہے۔ مگر نہ اُسکے رونے کا منشا معلوم ہوتا ہے نہ ہنسنے کا۔ پس ممکن ہے کہ شاعر کے کلام میں ایسی بے جوڑ باتیں دیکھکر لوگ متعجب ہوں۔ مگر جب تک شاعر کا سا دل اُن کے پہلو میں اور ویسا ہی سودا اُن کے دماغ میں نہ ہو اُنکا تعجب رفع ہونا مشکل ہی۔

“ بہ زیرِ شاخِ گل افعی گزیدہ بلبل را   نواگرانِ نخوردہ گزند را چہ خبر ”

یہ چند اصول جو اوپر بیان کیئے گئے اُنسے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نکتہ چینوں کی زبان بند کرنی مقصود ہے۔ کیونکہ جسطرح فوّارہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اُچھلتا ہے۔ اسیطرح نکتہ چینوں کی زبان۔ بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہے۔ دوسرے نکتہ چینیوں سے کان اسقدر مانوس ہو گئے ہیں کہ جسطرح توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہیں ہلاتا۔ اسیطرح مصنف نکتہ چینوں کے شور و غل کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ پس اُن کی زبان بند کرنے کی نہ طاقت ہے نہ ضرورت۔ البتہ ضرورتِ وقت اِس امر کی مقتضی تھی کہ دیباچہ میں یہ چند باتیں جتا دی جائیں

ظاہر ہے کہ سویلزیشن جسکو شعر و شاعری کا قاتل کہا جاتا ہے اُسکا پرچھاواں اس مُلک پر بھی پڑنے لگا ہے۔ شعر جسکو مدرسہ[8] میں لیجانے کی اجازت نہ تھی اُسکو روز بروز زیادہ تر مدرسہ ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہے۔ تعلیم ایسے عقل و دانش کے پُتلے جوق جوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعرا کے نزدیک ذوقِ معنی سے ایسے ہی بے بہرہ ہیں جیسے شُعَرا اُن کے نزدیک عقل و دانائی سے۔ اُنپر شعر اتنا بھی اثر نہیں کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر حُدی خواں کی آواز اثر کرتی ہے۔ غرضکہ شاعرانہ مذاق یوماً فیوماً ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہے۔ اور ایسی علامتیں موجود ہیں جنسے پایا جاتا ہے کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لیئے گُل ہونے والا ہے۔ نہ پُرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہے اور نہ نئی شاعری آگے چلتی معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دیوان شائع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین میں عبرانی بائبل شائع کرنی۔ اسی لیئے **مقدمہ** میں مطلق شاعری پر کسیقدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے۔ اور چند باتیں جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھیں وہ اب دیباچہ میں بیان کی گئیں۔ لیکن اگر غور کیجیئے تو ان میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دیباچہ لکھنا تو درکنار۔ سرے سے شعر کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

"آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست"

مگر مدبر السموات والارض نے اس خرابہ آباد دُنیا کی رونق اور بہار ہماری اسی غفلت و نادانی پر موقوف رکھی ہے کہ دن رات یہاں کے گورکھ دھندوں میں اُلجھے رہیں دھوکے کو

---

[8] یہ اشارہ ہے اس مشہور مقولہ کی طرف کہ "شعر مرا بہ مدرسہ مبر" ۱۲

حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھیں۔ اور جس کوشش و جانفشانی کے ساتھ کہ مکڑی عمر بھر اپنے بودے اور کمزور جالے کے پورنے میں سرگرم رہتی ہے اُسی کوشش و جانفشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور پادرہوا عمارتیں چُنتے رہیں یہاں تک کہ فنا ہو جائیں۔

” درکارخانہ کہ بنالیش بہ غفلت ست　　ہُشیار زیستن نہ زقانونِ حکمت ست “

” نَرُوحُ[8] وَنَغْدُوْ لِحَاجَاتِنَا　　وَحَاجَةُ مَنْ عَاشَ لَا تَنْقَضِي
وَيَسْلُبُهُ الْمَوْتُ اَثْوَابَهُ　　وَيَمْنَعُهُ الْمَوْتُ مَا يَشْتَهِي
تَمُوْتُ مَعَ الْمَرْءِ حَاجَاتُهُ　　وَتَبْقَى لَهُ حَاجَةٌ مَا بَقِي “

---

[8] ترجمہ ہم اپنے کاموں میں صبح شام سرگرم ہیں۔ اور جو شخص زندہ ہے اسکا کام ختم نہیں ہو سکتا۔ موت ہی اُسکے کپڑے اُترواۓگی اور موت ہی اُس کی خواہشوں کا خاتمہ کرے گی۔ انسان کی خواہشیں اُس کے ساتھ ہی مریں گی جب تک وہ زندہ ہے کوئی نہ کوئی خواہش اُسکے ساتھ لگی ہوئی ہے ۱۲

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے   کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
دیکھ لو ان میں جتنے ہیں خط   کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے   دے یونہیں چھوٹے خط کو بڑھا
ایک نے جتنے خط تھے بڑے   اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا وہاں پیشِ نظر   خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اُٹھا کر آنکھ جدھر   تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
کل کی ہے یارو بات کہ تھی   قوم میں باقی جان ذرا
قوم میں جیسا حال ہے اب   آدمیوں کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبوں میں   اَخطل و اَعشیٰ کے ہمتا
منشیوں میں اپنے تھے بہت   جن پہ کہ نازاں تھی انشا
شعر میں تھے اُستاد اکثر   سحر بیاں اور نکتہ سرا

لیگئی اُن کو آخر کار   بحرِ فنا کی موج بہا
اہلِ ہنر کا نام و نشاں   قوم میں جب باقی نہ رہا
حالی و زید و عمر سب نے   صاحبِ دیوان نامِ خدا
اب چاہو۔ اُستاد گنو   یا ہمیں سمجھو تم یکتا
ہم ہیں وہی ناچیز مگر   کَبُرَنَا مَوْتُ الْکُبَرَا

؏ شعر کی طرف خطاب

؏ اے شعرِ دلفریب نہو تو تو غم نہیں   پر تجھ پہ حیف ہی۔ جو نہو دل گداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام   ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں   تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
حُسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہان کو   آپے کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
تو نے کیا ہی بحرِ حقیقت کو موج خیز   دھوکے کا غرق کر کے رہیگا جہاز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمانِ شاعری   قبلہ ہو اب اُدھر تو نہ کیجو نماز تو
اہلِ نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز   جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
ناک اوپری دوا سے تری گر چڑھائیں لوگ   معذور جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
چُپ چاپ اپنے سچ سے کئے جا دلوں میں گھر   اونچا ابھی نہ کر عَلَمِ امتیاز تو
جو نابلد ہیں اُن کو بتا چور بن کے راہ   گر چاہتا ہے خضر کی عمرِ دراز تو

عزت کا بھید مُلک کی خدمت میں ہے چھپا   محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہِ رہت پہ تو جب کہ پڑ لیا   اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہے فتح گر نئی دنیا تو لے نکل   بیڑوں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
ہوتی ہے سچ کی قدر۔ پہ بیقدریوں کے بعد   اسکے خلاف ہو تو سمجھ اُسکو شاذ تو
جو قدرداں ہو اپنا اُسے مغتنم سمجھ   حالی کو تجھ پہ ناز ہے۔ کر اُسپہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعانِ جوانی کی بہار آخر۔ حیف   طبع رنگیں تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں   جو غزل لکھتے تھے۔ ہوتی تھی سراسر حالی
اب۔ کہ الفت ہی نہ چاہت نہ جوانی نہ اُمنگ   سر ہے سودا سے تہی۔ عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھیے تو کیا۔ لکھیے غزل میں اکثر   نہ رہی چیز وہ مضمون سوجھانے والی
آپ بیتی نہ ہو جو۔ ہے وہ کہانی بے لطف   گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زباں ٹکسالی
ہاں مگر کیجیے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں   لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچیے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر   کیجیے درد جدائی کی کبھی نقالی
تاکہ بھڑکاتے جوانوں کے دل۔ آتش کیطرح   وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہے خالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل   "قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی"

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں   جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سعیِ بلیغ   اسمیں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیجئے
دیجئے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا   اور سخن کی داد پیر و جواں سے لیجئے
اور نہ ہو گر شعر و انشا کی لیاقت آپ میں   شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجئے

بے تمیزیِ ابنائے زمان

از رہِ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا   ہے وجود اے مبتذل تیرا برابر اور عدم
جنس تیری کس مپرس اور قدر و قیمت تیری ہیچ   تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونیکا غم
دے کے دھوکا تو اگر الماس بنجائے تو کیا   امتحاں کے وقت کُھلجاتا ہے سب تیرا بھرم
مسکرا کر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا   گو کہ ہے رُتبہ ترا مجھ سے بڑا اے محترم
مجھ میں اور تجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز   ہیں مبصّر ایسے اس بازار ناپرساں میں کم
تیرے جوہر گو نہیں موجود اپنی ذات میں   تجھ سے اے الماس لیکن اچھے پڑتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیر زادہ کو   تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیر زادوں میں   لازمی ہیں۔ وہ اُنمیں بھی سب تھیں
گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی   اسپہ تھا خود پسند اور خود بیں

کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ   علمِ تیر و کماں میں اپنے تئیں
واہ واہ سنتے سنتے یاروں کی   ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں   جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشقِ تیر افگنی میں تھا مصروف   کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال   وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں
تیر جتنے کماں سے چھوٹے   پائے سب نے اصول و بے آئیں
جا کے بھُوسے سے بھی نہ پڑتا تھا   تیر۔ آماجگہ کے کوئی قریں
ایک جاتا تھا چھُٹ کے سوئے شمال   ایک جاتا تھا پھٹ کے سوئے یمیں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی   رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودے پہ جا کے ہو بیٹھا   لوگ کرتے رہے چناں و چنیں
ناوک انداز بولا چلّا کر   کوئی تجھ کو جنوں ہوا ہے مسکیں
یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے   یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جانِ حزیں
عرض کی چارہ کیا ہے اس کے سوا   جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زَد سے اِن بے پناہ تیروں کی   کہیں جاں دار کو امان نہیں
مجھ کو ہر پھر کے شش جہت میں حضور   امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

پولٹکل سپیچین

اے بزم سفیرانِ دُوَل کے سخن آرا
ہر خُرد و کلاں تیری فصاحت پہ فدا ہی
یہ سچ ہی کہ جادو ہی بیاں میں ترے لیکن
کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہی
ظاہر ہی نہ غصہ میں بیاں سے تری رنجش
نہ لطف میں کچھ طرز بیاں اُس سے جدا ہی
ہی دل میں نہاں ایک شکایات کا طومار
اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہی
جو صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہد سی شیریں
اور جنگ میں کچھ لطف سخن اُس سے سوا ہی
گر سوچیے تو سیکڑوں پہلو ہیں مَضَر کے
اور سُنیے تو زنجیروں سے ہر قول بندھا ہی
دل کی ترے ہوتی نہیں معلوم کوئی بات
گونگا نہیں گویا نہیں کیا جانیے کیا ہی
کھُلتا نہیں کچھ اسکے سوا تیری بیاں سے
اک مرغ ہی خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہی
تھے لب پئے اظہار پہ اب آ کے کھُلا یہ
انسان کو اخفا کے لیے نطق ملا ہی

بدی کر کے نیکنامی کی توقع رکھنی

نا منصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم
برتاؤ سے نالاں تھی بہت جس کے رعیت
جب دورہ کو اُٹھتا تھا تو دیہات میں جاکر
تھا پوچھتا ایک ایک سے از راہ شرارت
ہیں پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا
کرتے ہیں ہماری وہ ستایش کہ مذمت
تھی اُسکی مثال ایسی کہ اک شخص بدآواز
جس کو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت
گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے
ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سُرعت
ہو تا کہ یہ معلوم کہ ہی دور سے میری
آواز خوش آیند و یا قابلِ نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا "زینت و اسباب پہ جو لوگ
اتراتے ہیں۔ اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے"
حالی نے کہا "جنکو ہے اترانے سے نفرت
اترا کے وہ اسطرح نہیں ناک چڑھاتے"

سید احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں
بعض کے نزدیک توحید اُسکی حدِ تام ہے
ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ مردود قول
جو ہیں قائل اسکے اُنپر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اِس سے ماننا پڑتا ہے اُس حت کو عام
جس سے غیر از اہل قبلہ جو ہے وہ ناکام ہے
بعض کہتے ہیں کہ "شر سے تیرے سب ایمن رہیں
بس مسلمانی وہ دیں داری اسیکا نام ہے"
پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عند الفحول
کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اِسے وہ خام ہے
ایمنی کا مستحق ہے خاصکر اپنا گروہ
اور سب کا لفظ یار اغیار سب کو عام ہے
بعض کہتے ہیں شعار اسلامیوں کا ہے لباس
جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ
حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
مذہب منصور[8] ہے لیکن بیاں کرنا ضرور
جو مسلم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر
سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

---

[8] اقوال مختلفہ میں سے جو قول راجح ہو اُسکو مذہب منصور کہتے ہیں۔

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسمِ حج قرض لیکے اک دیں دار   چلا بہ نیتِ حج گھر سے سوئے بیت اللہ
کہا یہ اُس سے اک آزاد نے کہ اے حضرت   کیا ہے آپ پہ شارع نے جبر یا اکراہ
کہ قرض لے کے چلے ہیں حضور سوئے حجاز   وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحالِ تباہ
نہ نان و نفقۂ فرزند و زن سے خاطر جمع   نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
سُنا یہ۔ اور بہت ترش ہو کے فرمایا   کہ روکتا ہے مسلماں کو حج سے اے گمراہ
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے   نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانوں کی   پہنچتے جو کہ ہیں طے کرکے بر و بحر کی راہ
جنھیں فراغت و تنگی میں ہے اُسی سے اُمید   جنھیں سلامت و آفت میں ہے اُسی کی پناہ
وہ سُن کے بولا کہ ناخواندہ میہمانوں کو   اُمید لطف کی رکھنی ہے میزباں سے گناہ
ذلیل ہوتے ہیں جو بن بُلائے جاتے ہیں   طفیلیوں کی نہیں دعوتوں میں عزت و جاہ
یہ سُن کے شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر کہ کہیں   ہو مدعی نہ تجسس میں یہاں کوئی ہمراہ
بُلا کے پاس پھر آہستہ اُس سے فرمایا   ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
پہنچتے جہاں تک ہیں پختہ کاروں کے   جوانِ خام کی وہاں تک نہیں پہنچتی نگاہ
خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر   فتوح جن میں ہے دنیا و دیں کی خاطر خواہ
نماز و روزہ ہو۔ یا ہو طواف و عمرہ و حج   حصول جیسے کہ ہوتا ہے اپنے قربِ اِلٰہ

اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام   نہ جن میں چاہیئے محنت نہ کوشش جانکاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ   ہزاروں پھرتے ہیں مُحتاج سادہ لوح تباہ
یہ کہنے سُننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار   وگرنہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا۔ حاصل ہو آزادی جنھیں   قدرداں اُنسے بہت بڑھکر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں   قدر آزادی کی جتنی ہمکو ہو اُتنی ہے کم
عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا   بینواکو ہے زیادہ قدرِ دینار و درم
تُعرَفُ الاشیاء بالاضداد ہے قولِ حکیم   دیگا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم
سُن کے ایک آزاد نے یہ لاف چُپکے سے کہا   ہے سقّر موری کے کیڑے کے لیئے باغِ ارم

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں "آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہے سانس   یہاں غلام آکر۔ کرامت ہے یہ انگلستان کی
اُس کی سرحد میں غلاموں نے جونہیں رکھا قدم   اَور کٹکر پانو سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی"
قلب ماہیت میں انگلستان ہے گر کیمیا   کم نہیں کچھ قلب ماہیت میں ہندوستان بھی
آن کر آزاد یہاں آزاد رہ سکتا نہیں   وہ رہے ہوکر غلام۔ اِسکی ہوا جنکو لگی

---

8 یعنی جسطرح موری کے کیڑے کو موری ہی میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔ اسیطرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آئی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں

سید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خاں کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ آپ   کس لیئے سیّد سے صاف اے حضرتِ والا نہیں
کافر و ملحد ہمیشہ اُسکو ٹھیراتے ہیں آپ   ثابت اسلام اُسکا۔ نزدیک آپ کے گویا نہیں
آپ بھی (نامِ خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ   اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
خود نبوت پر سُنے ہیں ہمنے ایراد آپ کے   اور اُلوہیّت سے بھی دل۔ جمع حضرت کا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جب کہ ہی مشرب وسیع   پھر یہ سیّد پر تبرّا آپ کو زیبا نہیں
سُن کے فرمایا "اگر ہو پوچھتے انصاف سے   بات یہ ہی۔ سُن لو صاحب تم سے کچھ پردہ نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہے کیوں   بلکہ ساری کوفت ہی اِس کی کہ میں ویسا نہیں

قحط اھل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجیب طاری   جو تھا سو چشم پُرنم۔ اپنا تھا یا پرایا
دُنیا سے اُٹھ گئے سب جو تھے مرید صادقؔ   یہ کہکے شیخ کا دل بے ساختہ بھر آیا
ہمنے کہا۔ مریدی باقی رہی نہ پیری   یہ کہکے ہم بھی روئے اور اُسکو بھی رُلایا

نوکروں پر سخت گیری کرنیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر   درگذر تھی اور نہ ساتھ اُن کے رعایت تھی کہیں

بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف   کام سے مُہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں
حسنِ خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار   ذکر کیا۔ نکلے جو چھوٹے مُنہ سے اُسکے آفریں
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اُس سے دوچار   نتھنے پھولے۔ مُونہ چڑھا۔ ماتھے پہ بل ابرو پہ چیں
تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لیئے کوئی فتوح   آکے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امیں
رہتا تھا اِک اک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس   فرض جسمیں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعیں
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار   زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبیں
حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں   تاکہ یہ درخواست۔ دیکھیں واجبی ہے یا نہیں
وھاں سوا تنخواہ کے۔ تھا جن کا آقا ذمہ دار   تھیں گریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں
دیکھکر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لاجواب   تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستیں
ایک دن آقا تھا اک مُنہ زور گھوڑے پر سوار   تھک گئے جب زور کرتے کرتے دستِ نازنیں
دفعۃً قابو سے باہر ہوکے بھاگا راہوار   اور گرا اسوار صدرِ زیں سے بالائے زمیں
کی بہت کوشش۔ نہ چھوٹی پانو سے لیکن رکاب   کی نظر سائیں کی جانب۔ کہ ہو آکر مُعیں
تھا مگر سائیں ایسا سنگدل اور بے وفا   دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعیں
دور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا   دیکھ لو سرکار اسمیں شرط یہ لکھی نہیں

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی راے   اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب

کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم — زباں جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہے — نہیں جو رائے میں اپنی مُذَبذَب
وہ نیشن کہتے ہیں اُس بھیڑ کو بھی — کہ جسمیں وحدتیں مفقود ہوں سب
زباں اِس کی نہ ہو مفہوم اُس کو — ہوں آدم تک جُدا سب کے جَد و اَب
جو واحد لاشریک اِس کا خدا ہو — تو لاکھوں اُس کے ہوں معبود اور رَب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہیں مَیلا کُچیلا اک غُلام — اُسکے مَیلے پن پہ لوگوں نے ملامت اُسکو کی
عرض کی ”ایک اک رُواں ہو جس بدن کا مِلکِ غیر — اختیار اُسکی صفائی کا نہیں رکھتے رہی“ غلام ۱۲
جو۔ ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال — عذر مَیلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں یہی
کیونکہ جسمِ آدمی ہیں۔ پیشِ اہلِ معرفت — کوئی چیز اُسکی نہیں سب ہے امانت گور کی

دلّی کی شاعری کا تنزّل

اک دوست نے حالی سے کہا از رہِ انصاف — ”کرتے ہیں پسند اہلِ زباں آپکے سخن کو“
چند اہلِ زباں جن کو کہ دعوےٰ تھا سخن کا — بولے کہ ”نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہلِ زباں سے — ہو چھو نہ گئی غیر زباں اُس کے دہن کو
معلوم ہے۔ حالی کا ہے جو مولد و منشا — اُردو سے بھلا واسطہ؟ حضرت کے وطن کو

اُردو کے دھنی وہ ہیں جو دلی کے ہیں روڑے
پنجاب کو مَس اُس سے ۔ نہ پورب نہ دکن کو
بُلبل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے
کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو
حالی کی زباں گر بمَثَل نہرِ لبَن ہو
خالص نہو تو کیجے کیا لے کے لبَن کو
ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ
پُہنچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو
مانا کہ ہے بے ساختہ پن اُسکے بیاں میں
کیا پھونکیئے اِس ساختہ بے ساختہ پن کو
یہ ۔ دوست نے حالی کے سُنی جبکہ تعلّی
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
کچھ شعر تھے یاد اُنکے پڑھے اور یہ پوچھا
کیوں صاحبو عزّت اِسی اُردو سے ہی فن کو
سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے
کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو
حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسم عرب
کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا دختر
سنگدل باپ اُسے گود سے لیکر ماں کی
گاڑ دیتا تھا زمیں میں کہیں زندہ جاکر
رسم اب بھی یہی دنیا میں ہے جاری لیکن
جو کہ اندھے ہیں ہیئے کے نہیں کچھ اُنکو خبر
لوگ بیٹی کے لیئے ڈھونڈھتے ہیں جب پیوند
سب سے اول اُنھیں ہوتا ہے یہ منظورِ نظر
ایسے گھر بیاہیئے بیٹی کو جو ہو آسودہ
اور مہ و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر
جانے پہچانے ہوں سمدھیانہ کے سارے زن و مرد
اُنکے معلوم ہوں عادات و خصائل یکسر

ایک ہی شہر میں ہوں دونو گھرانے آباد
دونو۔ نزدیک قرابت میں ہوں باہم اگر

جیتے جی مر گئی بس اُن کی طرف سے گویا
جاکے پردیس میں بیٹی کو دیا بیاہ اگر

چھان بین اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہے
پر نہیں دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہو بَر

بدمزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بدچلنی
کچھ بُرائی نہیں۔ ذی ثروت ہو داماد اگر

وہ بھی ناشدنی رِیت ہے جس کے کارن
بچیاں بھیڑیوں سے پاتی ہیں پیوند اکثر

جاہلیّت میں تو تھی اک یہی آفت کہ وہاں
گاڑ دیجاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر

ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی
زندہ در گور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر

اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام
جاہلیّت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سید احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وجہِ معاش کی

وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
لیکن نہ اُسکے ہاتھ کہیں نوکری لگی

اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
تدبیر یہ بھی اُسکی نہ تقدیر سے چلی

روزی کی خاطر اُسنے کیئے سیکڑوں جتن
پر کی کہیں نصیب نے اُس کے نہ یاوری

راہِ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت
اِک خضرِ پے خجستہ نے کی آکے رہبری

جھک کر کہا یہ کان میں اُسکے کہ آج کل
سنتا ہوں چھپ رہی ہیں تصانیف احمدی

جا۔ اور لفظ لفظ کو اُسکے چھیڑ کر
تردید اُسکی چھاپ دے جو ہو بُری بھلی

پھر دیکھنا کہ راس و چپ و گرد و پیش سے   لگتی ہے کیسی آ کے زر و سیم کی جھڑی
دنیا طلب کو چاہیئے ابلہ فریب ہو   دنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہی ابلہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست   دل میں کہیں نشاں نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں وسوسے   ہوتی نہیں قبول تری ایک اگر دعا
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بُت پرست   جس کا یقیں ہی تیرے یقیں سے کہیں سوا
وہ مانگتا بتوں سے مرادیں ہے عمر بھر   گو حاجت اُس کی اُنسے ہوتی ہے نہ ہو روا
آتا نہیں یقین میں اُس کے کبھی قصور   اُمید اس کی روزفزوں ہی اور التجا
تو بندۂ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہی   وہ ہے کہ یہ ہے بندگی؟ اے بندۂ خدا

استفادہ

لیجیئے بھیک دوڑ کر۔ گُر ہے گداگری کا یہ   جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
ہی یہی اصل اکتساب۔ ہو جیئے سب سے مستفید   زک ملے۔ یا سزا ملے۔ درس ملے۔ ادب ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہی کہ "گر غور کیجیئے   ہی حق میں سب کے دوست سے دشمن مفید تر

اول تو سوجھتا ہی نہیں عیب دوست کو   اور سوجھتا ہے تو نہیں لاتا زباں پر
پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب   سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہی جلوہ گر
دشمن سے بڑھکے کوئی نہیں آدمی کا دوست   منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بدسگال   رکھتا ہی جو کہ دوست کے عیب اُس سے مستتر
گو قول ہی متین یہ جو تھی سخن کی تہ   افسوس ہی حکیم کی پہنچی نہ وھاں نظر
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید   عیب اُنکے دوست کیوں نہ جتائینگے بخطر
اور جو کہ دوست سے نہیں سُن سکتے اپنے عیب   وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یہاں   موقوف عُبرت[۵] اُنکی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہے مردِ سخن ساز بھی دنیا میں عجب چیز   پاؤگے کسی فن میں کہیں بند نہ اُسکو
موجود سخن گو ہوں جہاں وھاں ہیں طبیب آپ   اور جاتے ہیں بن آپ طبیبوں میں سخنگو
دونو میں سے کوئی نہو تو آپ ہیں سب کچھ   پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے خوار و زبوں   اپنے دعووں پہ بیاں کرکے دلیل و برہاں
مغلوب ۱۲

---

[۵] عبرت و اعتبار نصیحت حاصل کرنا ۱۲

کہا اے نفس نہیں تجھ میں مآل اندیشی   درد ہیں تیرے۔ اسی واسطے سب بے درماں
ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی   جسکا آتا ہے نظر پیشتر از صبح زیاں
سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیاں سے پرہیز   تیرے نزدیک ہے درد اور دوا سب یکساں
نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دنیا کی خبر   یہ بھی ہے نیند کوئی۔ موت کا ہے جسپہ گماں
نہ جوانی میں تجھے صبر۔ نہ پیری میں شکیب   کبھی ہوتا نہیں کم تیری خودی کا طوفاں
کہیں جائے نہ بھٹک منزلِ مقصود سے تو   دیکھ۔ جاتا ہے کدھر اور تجھے جانا ہے کہاں
ہاتھ دھو لذتِ فانی سے۔ نہیں گر منظور   عیشِ باقی و حیاتِ ابدی سے حرماں
نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضرِ طریق   وعظ پر تیرے ہے زیبا کہ فدا کیجئے جاں
پر نہیں حکم ترا کوئی۔ عمل کے قابل   گو کہ حکمت سے بھرا تیرا سراسر ہے بیاں
نقد کو چھوڑنا اور نسیہ کی رکھنی امید   کوئی تسلیم کرے گا نہ اسے جز ناداں
ہے یہ ایک ایک مری لذتِ فانی وہ بلا   سو حیاتیں ابدی تیری ہیں جسپر قرباں
ایک اب بھوکے سے کہتا ہے کہ لے قابِ طعام   ایک مدعو اسے کرتا ہے پس از سال رواں
کیونکہ امید پہ اک مائدۂ نعمت کی   سال بھر صبر کرے گرسنگی میں انساں
عقل نے سن کے کہا خوف ہے تجھ سے اے نفس   جربزہ تیرا تجھے دیکھئے پہنچائے کہاں
حق کے پیرایہ میں ہوتا نہیں باطل سرسبز   کیجئے لاکھ بیاں اسپہ دلیل و برہاں
جاں بلب بھوک سے ہو گرسنہ بالفرض اگر   زہر دانستہ کرے نوش۔ نہیں ہے امکاں
نہ کہیں بھوک میں کھا بیٹھیو یہ لقمۂ نقد   اسکے کھانے میں نہیں جاں کی خیر اے ناداں

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کہا گھیر لی عقلِ صواب اندیش کی سب تو نے جائے
ہنسکے عادت نے کہا کیا عقل ہے مجھسے الگ؟ میں ہی بن جاتی ہوں ناداں رفتہ رفتہ عقل و رائے

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سنتے ہیں یہ اک مدبّر کی ہے رائے "چاہیے گر رونقِ علم زباں
شاعروں کو سلطنت کا کیجیے رُکن جن پہ اُسکی سب رکانیں ہیں عیاں"
رائے صائب ہی بظاہر اور متیں گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحاں
شعر و انشا کو تو ہو شاید فروغ ہے بہت کم برخلاف اسکے گماں
سلطنت کا پر خدا حافظ ہے جب شاعروں کے ہاتھ ہو اُس کی عناں
اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے شعر و انشا کو بھی ہے خوفِ زیاں
ایک پر اُن میں سے چل سکتا نہیں دوسرے کا جادوے حسنِ بیاں
ایک جب چلنے نہ دے گا ایک کی پھر ترقی شعر و انشا کی کہاں

لوگ کسی کی خوبیاں سُن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اُسکے عیب سُن کر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنوں حالی اُسقدر خوبیوں کے اپنی نہیں شکر گزار

لوگ جب عیب ہمارا کوئی سُن پاتے ہیں گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو رنج اُن کو کمال گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار
اور جو ہو گوش زد اُن کے کوئی خوبی اپنی خوش تو پڑتی ہے بنانی اُنھیں صورت ناچار
دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُنکے کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زنہار
للہ الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ طیار

شایستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اُسکی جب یہی دیکھی گئی روش پوچھا کسی نے اُس سے کہ اِسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اسلیئے کی ہے یہ اختیار چھُٹ جائے تاکہ مجھسے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پر مدا منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا
امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لَت گرچند روز اَور رہا اِن سے سابقہ
آیا جواب سُن کے یہ اُسکا بہت پسند کی آفریں اور اُس سے مخاطب نے یوں کہا
نِیٹو ہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ حق میں ترے مفید ہیں یہ اُنسے بھی سوا
انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں ہیں بخیل اہل وطن پہ اُن کی مگر جان ہے فدا
پر جو کہ دیسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ دل بھائیوں پہ بھی نہیں اُن کا پسیجتا

انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور   جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
اہلِ غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ   شایستگی کا زہر ہے جب سے انھیں چڑھا

اسراف

ایک مُسرِف نے یہ ممسک سے کہا   کب تک اے ناداں یہ حُبِّ مال و زر
تو - جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ   ہی سدا دنیا ہی میں رہنا مگر ؟
ہنسکے ممسک نے کہا اے سادہ لوح   زر لُٹانا رائگاں اور اسقدر ؟
آج ہی گویا (نصیب دشمناں)   آپ کا دنیا سے ہے عزمِ سفر

پاس نیکنامی

اے نیکنام شکر کر اللہ کا ادا   جسنے بنایا نیک تجھے کرکے نیکنام
ہوتا اگر نہ پاس تجھے نامِ نیک کا   پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجھکو خوف خدا کا ہو اسقدر   جتنا کہ خوفِ طعنہ و تشنیعِ خاص و عام

غرور نیکنامی

گئی ہی حد سے گذر شیخ کی نکو نامی   گمان بد کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُسکے عیب قسم سے بیاں کرے کوئی   خود اُسکو عیب کا اپنے یقیں نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا مڈیکل امتحان

دو ملازم - ایک کالا اور گورا دوسرا   دوسرا پیدل - مگر پہلا سوارِ راہوا
تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونو رواں   کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونو خواستگار
راہ میں دونو کے باہم ہو گئی کچھ ہشت مشت   کوکھ میں کالے کی اک مُکّا دیا گورے نے مار
صدمہ پُہنچا جس سے تلّی کو بہت مسکین کی   آکے گھوڑے سے لیا سائیس نے اُسکو اُتار
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی   چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند با
آخرش کوٹھی پہ پُہنچے جا کے دونو پیش و پس   ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوا
ڈاکٹر نے آکے دونو کی سُنی جب سرگذشت   تہ کو جا پُہنچا سخن کی سُن کے قصہ ایکبار
دی سند گورے کو لکھ - تھی جسمیں تصدیقِ مرض   اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزا
یعنی اک کالا نہ جس گورے کے مُکّے سے مرے   کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار
اور کہا کالے سے "تمکو مل نہیں سکتی سند   کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار
ایک کالا پٹ کے جو گورے سے فوراً مر نجائے   آئے بابا اُس کی بیماری کا کیونکر اعتبار

خودستائی

اے دل بشر وہ کون ہے جو خودستا نہیں   پر خودستائیوں کے ہیں عنواں جدا جدا
جو زیورِ خرد سے مُعَرّا ہیں سادہ لوح   کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی برملا

جو اُن سے تیز ہوش ہیں۔ سو سو طرح سے وہ
پردوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا
کہتا ہی ایک کیسی حماقت ہوئی ہی آج
کمبل تھا ایک گھر میں۔ سو سائل کو دیدیا
کہتا ہی دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل
سائل کی ڈب میں میں نے دیا مال جب دکھا
پردہ میں زیرکی کے چھپاتا ہے بخل یہ
اور بن کے بیوقوف جتاتا ہے وہ سخا
کچھ۔ اسلئے کہ ہم بھی انھیں میں سے ہوں شمار
اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا
کچھ۔ اسلئے کہ اپنا ہو انصاف آشکار
کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا بجا
کہتا ہے ایک لاکھ نہ مانے برا کوئی
ہی عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا
کہتا ہے ایک گر ہے خوشامد کا آدمی
پر چاہنے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم برا
دھوکا ہنر کا دیکے چھپاتا ہے عیب یہ
اور موند سے دُرد کھلکے دکھاتا ہی وہ صفا
چپ چاپ سن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں
یعنی کہ یہ بیان ہی سب راست اور بجا
کہتا ہی اسپہ کوئی کہ سب حسن ظن ہی یہ
اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا
قانع ہی وہ اُنھیں پہ۔ ہوئی ہی وصف جو بیاں
اور چاہتا ہی یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا
کہتا ہی زید۔ عمرو ہی شدت سے سادہ لوح
گنتا ہی سب کو نیک وہ۔ اچھا ہو یا برا
کہتا ہی عمرو۔ زید بھی کتنا ہی عیب بیں
بد ہو کہ نیک۔ اُسکی زباں سے نہیں بچا
یہ اُسکا اور وہ اسکا بیاں کرکے کوئی عیب
ہر اک ہی اپنی اپنی بڑائی نکالتا
غیبت۔ اُمید ہی کہ نہوتی جہان میں
ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا
حالی جو پردے کھول رہی ہیں جہان کے
شاید کہ اِس سے آپ کا ہو گا یہ مدعا

یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپائی عیب   اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا
القصہ جسکو دیکھیئے - جاہل ہو یا حکیم   آزار میں خودی کے ہی بیچارہ مبتلا

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفسِ دوں ہماری بس میں ہے   گر کبھی حملہ پہ اُسکے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی   جن کو نادانی سے حملے اُسکے ٹھیراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیئے سب عقل نے ہتھیار ڈال   زور بازو پر ہمیشہ جسکے اتراتے تھے ہم

جن قوم میں افلاس ہو اُسمیں بخل اتنا بدنما نہیں جتنا اسراف

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اِس کا سبب کیا   جب کرتے ہو تم کرتے ہو مُسرِف کی مذمّت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور   جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے۔ پر بخل سے کمتر   ہی جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اِس کا   یاروں کے لیئے ہے یہ بیاں موجبِ رقّت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اُسوقت   جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو نگر   پھر اُسمیں نہیں بخل سے بد تر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہی نہ ثروت ہی نہ اقبال   گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت
ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی   پرواز کی ہے چیونٹوں کو جیسے ہدایت

رُؤسائے عہد کی فیاضی

کی رئیسِ شہر کی تعریف یاروں نے بہت　　برسبیلِ تذکرہ باہم جو ذکر اُس کا چلا
بولے آج اُس کا نہیں مہماں نوازی میں نظیر　　عاملانِ شہر مدعو اُسکے رہتے ہیں سدا
ضلع کے حکّام کا ادنےٰ اشارہ چاہیئے　　پھر کوئی دیکھے سخاوت اُس کی اور بذل و عطا
یادگاریں جتنی ہیں اعیانِ دولت کی بنیں　　اُنمیں صرف اُس کی رقم ہے سب کے چندی سے سوا
پالکی یا وگنٹ۔ ہے جو سواری اُسکے پاس　　اہلکاروں کے لیئے ہے وقف بے چون وچرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عَسَسْ　　اُس کی ہمت کے ہیں سب مدّاح بے رُو و ریا
جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام　　جوڑ کر ہاتھ۔ اُنسے حالی نے بصد منّت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر کرو یارو بیاں　　سُنتے سُنتے خوبیاں جی اپنا متلانے لگا

ایمان کی تعریف

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف　　تو دی چراغ سے اُسکو بہ آب و تاب مثال
کہا "فتیلہ اقرار باللساں ہے ضرور　　جہاں ہو آتشِ تصدیق و روغنِ اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اِن دنوں اک تیل　　نہیں ضرور فتیلہ کا جسمیں استعمال

---

8 یعنے کروسنو آئل جو بغیر بتّی کے بھی جل سکتا ہے۔ گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲

برکتِ اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جنھیں ملاپ   دولت و بخت ہے ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ اُنھیں حاجتِ اعواں۔ نہ تلاشِ انصار   نہ اُنھیں خوفِ بداندیش نہ بیمِ بدخواہ
پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یکجہتی   اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزّت و جاہ
نہ ملاذ اُنکے لیئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل   نہ مفید اُنکے لیئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک مُلّا نے سُنا جب یہ سخن فرمایا   تکیہ اور سعقدر۔ اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں   دستِ قدرت کے ہی سب ہاتھ سفید اور سیاہ
وھاں نہ ملّت کی ضرورت ہی۔ نہ کچھ پھوٹ کا ڈر   پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ
کہا آزاد نے۔ سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر   کر دیں افرادِ پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہی اللہ کی عادت معلوم   اُسکو جب دیکھا ہے۔ دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

بُعدِ صوری مانع قربِ معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لیئے شہر میں اک گھر   جا اپنے محلّہ سے کہیں دور بنایا
جب اہل محلّہ سے چلا ہو کے وہ رخصت   دل درد جُدائی سے عزیزوں کا بھر آیا
ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب افسوس   اک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا
بلّی کہ جو بے عقل ہے۔ دم دیتی ہے گھر پر   اتنی بھی محبت تمھیں گھر سے نہیں آیا؟

حالی نے کہا "اُنس ہی چیز اَور۔ وفا اَور   بلّی نے مزا پھل کا وفا کے نہیں پایا
اُس مہر و وفا کی نہیں بلّی پہ پڑی چھینٹ   کُتّے نے ہے جس کا کہ سبق ہمکو پڑھایا
ہم غش ہیں مکینوں پہ وہ عاشق ہے مکاں کی   گھر بھول گئے ہم تو نہیں تمکو بھلایا
گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر۔ گھر ہے برابر   مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا

ناصح مخلص اور اہلِ غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفرِ صادقؑ سے عرض کی   "محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر
کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ   ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور
فرمایا "ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک   لائیں گے وہ نہ حرفِ نصیحت زبان پر
اور جنسے ہے امیدِ نصیحت وہ بالیقیں   صحبت میں بیٹھنے سے کرینگے تری حذر"

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خُدّام مامون کے بہت گستاخ تھے   ایک دن خادم کی گستاخی پہ مامون نے کہا
"کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت   پیش خدمت اُسکے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا"
پر۔ جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم   ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خُلق آقا کا بُرا
کھو دیا ہیبت کو اپنی جسنے اور تمکین کو   اُسنے گویا ڈھا دیا رُکنِ رکیں اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکل کا تیر چڑیا پر ہو گیا اتفاق سے جو خطا
ابن حمدوں ندیم تھا حاضر کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
وہ جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے خوں بہانا نہیں وہ رکھتے روا
جا نہ سکتی تھی بچکے تیر سے وہ تونے دی قصداً اُسکی جان بچا
ابن حمدوں نے کی یہ دانائی کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا
دور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے ہو کے اپنی خطا سے کھسیانا
جا کے کنجشک ابن حمدوں پر تیر کا اپنے امتحاں کرتا
ابن حمدوں کی جان گو جاتی دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر نا اہل کو مسلط کرنا

ہاروں نے کہا مصر لگا ہاتھ جب آ کے فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطۂ ملعون تھا یہی جسکی بدولت تھا دل میں خدائی کا خیال اُسکے سمایا
میں بھی اسے اُس باغیٔ طاغی کے علی الرغم اک بندۂ بے قدر کو بخشوں گا خدایا
کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا جس پر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنتِ مصر کی باگ اُسکے حوالے نا اہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
باڑی گئی بہ ایک برس نیل کی رَو میں یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سُنایا

فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اون   ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اُٹھایا
ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی   محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا   اپنے کو خدا جسنے ہے عالم کو بنایا
جوکھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی   اک سفلۂ ناکس کی بنا اُسکو رعایا

رشک

ظاہرا مردوں کی طینت میں نہیں رشک اسقدر   ہے طبیعت میں وہ جتنا عورتوں کی جاگزیں
ایک شہزادی۔ کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی   تختِ شاہی پر ہوئی بعد از پدر مسند نشیں
سلطنت میں اُسکی۔ تھا مردوں کو کلّی اختیار   عورتیں اصلا دخیل اُس کی حکومت میں نہ تھیں
مرد ہی تھے اُسکے محرم۔ مرد ہی اُسکے مشیر   تھا نہ عورت کا پتا دربار میں اُسکے کہیں
تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم   ہنسکے فرمایا کہ "اے دولت کے ارکانِ کہیں
مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں   بلکہ ہے اُنس اسلیئے تم سے کہ تم عورت نہیں"
بات کی حُسنِ بیاں سے اُسنے دی صورت بدل   تاکہ کوئی سوءِ ظن اُسپر نہ کر بیٹھے کہیں
ورنہ یوں کہتی کہ ہے عورت کی سیرت سے مجھے   اسلیئے نفرت۔ کہ ہے مردوں کی صورت دلنشیں

قانون

کہتے ہیں ہر فردِ انساں پہ ہے فرض   ماننا قانون کا بعد از خدا

پر جو سچ پوچھو۔ نہیں قانون میں   جان کچھ مکڑی کے جالے سے سوا
اُس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں   اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
پر اُسے دیتے ہیں توڑ اک آن میں   جو سکت رکھتے ہیں ہاتھونمیں ذرا
حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ   اور نظر میں زورمندوں کی ہے لا

شادی قبل از بلوغ

جب تک نہ شاہزادہ اٹھّارہ سال کا ہو   تختِ پدر پہ اُسکو ممنوع ہے بٹھانا
قانون ہے بنایا یہ اُن مقنّنوں نے   عالم میں آج کل جو مانے ہوئے ہیں دانا
لیکن کریں نہ اُس کی قبل از بلوغ شادی   کہتے ہیں وہ عبث ہی قانون یہ بنانا
نزدیک اُنکے گویا بزعمِ عقل و دانش   ہے کنگڈم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

اثنائے وعظ میں تھی تکیہ کلام واعظ   "قدرِ قلیل ہے سب مال و منالِ دنیا"
گویا کہ حرص اُنکی اس سے بُجھی نہیں ہے   ہے جسقدر فراہم پاس اُسکے مالِ دنیا

اُمرا اور عقلا

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خردمند   وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جانے کی ضرورت

پر- اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں   ملتے عقلا سے نہیں جو صاحبِ ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبّا   بیمار کو کچھ اس سے سوا اُن کی ہے حاجت

عصمتِ بی بی از بے چادری

اے بینواؤ ہنستے ہو کیا منعموں پہ تم   اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوئے   ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش   گر تم کو ہوں نصیب تو دنیا کو دو اُجاڑ

سچ کہاں ہے

دیکھنے ہوں تمھیں گر جھوٹ کے انبار لگے   دیکھ لو جا کے خزانوں میں کُتُب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں   سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

ٹھوٹ کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام   اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے وقتِ بازپرس   اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں تھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آ کے جو لوگ   تمھاری ہر دم اے اربابِ دولت

خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم   وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہمنے بیاں کیں خصلتیں نیک   نہیں اِن میں سے تم میں ایک خصلت

تدبیرِ قیامِ سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح   وہاں پانو جمانے کے لیئے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اِسکے تھی یہ مشورہ دیتی   یہ حرفِ سبک بھول کے مونہ سے نہ نکالو
پیرِ راستے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر   مانو اُسے ۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو ۔ لیکن   جو بات سبک ہو اُسے مونہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر   مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بُری گت
لیکن بخلاف اسکے ۔ ہے عورت کا جہاں راج   وہاں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں دار   قبضہ میں ہے وہاں عورتوں کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسرِ شاہی   سمجھو کہ ہے اُس مُلک میں مردوں کی حکومت

مغرور کی پہچان

غرورِ زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو   تو سمجھو ۔ کرتا ہے اپنے غرور کا اقرار

جنھوں نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا   بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زنہار

کام اچھا کرنا چاہیئے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے   اُسنے کی تاخیر اُسنے جسقدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں   بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

گدائے مُبْرِم

اک برہمن مورتی کے سامنے باصد نیاز   مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہیں
آن نکلا بانوا اک مانگتا کھاتا اُدھر   دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم وہیں
جی میں آیا چھیڑ کر قائل برہمن کو کرے   تاکہ پوچھے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرمگیں
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا   بانوا بولا کہ ہے تو بھی عجب کوتاہ بیں
مورتی کچھ تجھکو دے گی اور نہ دیسکتی ہے وہ   ناحق اتنی التجائیں اُسکے آگے تو نے کیں
ہنسکے برہمن نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام   دے۔ نہ دے وہ۔ اس سے کچھ مطلب نہیں اپنے تئیں
ہم نہیں دیتے ڈھنی تم جیسے ڈھیٹوں کی طرح   ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پانو پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو   ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کر

نہیں کام کا تمکو اندازہ ہرگز   جدھر ڈھل گئے۔ ہو رہی بس اُدھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت   تو چیخ اُٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اُٹھو نہ جبتک   کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر   تو فرصت ملے شاید اب تمکو مر کے
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانو   کہ بس ٹھن گئے عزم جنگِ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر   تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
جو ہی تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو   کہ چھوڑینگے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی   رہیں پانو کے ہوش جس میں نہ سر کے
جو کھانا تو بید جو پینا تو اَت گت   غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ[8] بھر کے

طبیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے

بشر کے صدمہ سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال   کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے   تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول   جو چل بسے کوئی اُنکے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ تھُپ جائیگی خطا ہم پر   کیا ملال کا اپنے گر اسجگہ اظہار

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

---

[8] یعنی پیٹ بھر کے [illegible] احمق کا لفظ اکثر اس مقام پر حذف کر دیتے ہیں گویا مخاطب کے سوا کسی پر اسکی حماقت ظاہر کرنی نہیں چاہتے ۱۲

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہوتا ہے اُس سے کار نمایاں کوئی اگر کرتا ہے بار بار بیاں اُسکو برملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیئے ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جُدا
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُسکو یاد یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد پہ انساں کو چاہیئے آخر بشر کا خاصّہ ہے سہو اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدائے ظریف جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش سخی ہو اس کہیں کہ مُمسک، غریب ہو کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولتمند کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شِبہ و نظیر
ہوا جو ایک دن اُس راہ سے گذر اُسکا درم اک اُسنے بھی چاہا کہ کیجیے نذرِ فقیر
کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر
پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر
یہی اَللّے تللّے رہے تو آپ کو بھی ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر
سو وقت ہی یہی لینے کا خود بدولت سے دکھائے دیکھیئے پھر اِسکے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اُٹھ جائے دلیل و بحث سے جو چلا آتا ہی باہم اہل مذاہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت   رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

انسان جو اشرف المخلوقات ہی سب سے زیادہ موردِ آفات ہی

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار   دو ہیں اُنہیں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اُس آنے والے وقت کی   شک نہیں ہی جسکے آنے میں ذرا
دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی   زخم جن کا زخم ہے تلوار کا
اور بھی حیوان ناطق کے لیئے   ہیں بہت سی زحمتیں اِنکے سوا
پر گدھے اور اَور حیوانات سب   رہتے ہیں دور۔ اِن گزندوں سے سدا
کیسا اِن آلام سے رہتا نچنت   اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا شوقیں جب   پوچھا ناصح نے کہ اسکام کا آخر انجام؟
بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم   زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بے قدر   شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ بونا کوئی بیج   جس سے دنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم پہ آئینہ ہی جو حال ہے ہونا اپنا   نفس سرکش کے مگر ہاتھ میں ہی اپنی زمام
کہا ناصح نے کہ انجام ہو معلوم اگر   لے نہ اِس زہر ہلاہل کا کوئی بھول کے نام

یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے۔ لیکن   یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا۔ انجام؟
بُرے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن   بُرے انجام سے جب آکے پڑیگا خود کام
مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم   گو کہ رکھتے ہیں یقیں موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزوں پہ تھا یوں نکتہ چیں   پاس اِن لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کسقدر
چاہتے ہیں۔ نفع پُہنچے اپنے اہل ملک کو   گو کہ اُنکے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر
کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاکو نہ لیں   اُسکا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر
خوردنی چیزیں جو بھالنے لینی پڑتی ہیں انھیں   اُنکو لندن سے منگائیں بس چلے اِنکا اگر
الغرض اہلِ وطن کی پاسداری کو یہ لوگ   جانتے ہیں دین و ایماں اپنا۔ قصہ مختصر
سُن کے حالی نے کہا۔ "ہے حصر انگریزوں پہ کیا   ایک سے ہے ایک قوم اِس عیب میں آلودہ تر
ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کی   یہ وہ خصلت ہے کہ مجبول اس پہ ہے طبع بشر
مکھیاں جیتی نگلجاتے ہیں پاسِ قوم میں   اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر
ہاں۔ بَرِی اس عیب سے دیکھے اس دنیا میں ہے   چشم بد دور۔ امّت مرحوم اے جانِ پدر
اور قوموں سے انھیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز   حملہ جب کرتے ہیں یہ۔ کرتے ہیں اپنی فوج پر
ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یہاں   جسقدر ہے اِنسے اپنوں اور بیگانوں کو خطر

غزلیات قدیم و جدید

چونکہ بہت سی ردیفیں قدیم غزلیات میں اور بہت سی جدید غزلیات میں نہیں تھیں - اسلیئے ہر ایک ردیف میں دونوں قسم کی غزلیں ملا جُلا کر لکھدی گئی ہیں - اور تمیز کے لیئے ہر قدیم غزل کے شروع میں حاشیہ پر حرفِ ق لکھدیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ قدیم و جدید غزل میں کیا فرق ہے

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا
اک بندۂ نافرمان ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدّم ہے حق تیرا ادا کرنا
بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا

محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم
کچھ کہہ نسکا جس پر یہاں بھید کھُلا تیرا

چھپتا نہیں نظروں میں یہاں خلعت سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

قطعہ

۱ عظمت تری ماننے بن کچھ بن نہیں آتی یہاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

۲ تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو
جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا

۳ نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بیخود
جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا

۴ سمجھا ہے پرے تجھکو ادراک کی سرحد سے
جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا

۵ طاعت میں ادب تیرا عصیاں سے ہے گو بڑھکر
عصیاں میں ہے طاعت سے اقرار سوا تیرا

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے
کچھ رنگِ بیاں حالی ہے سب سے جُدا تیرا ۱

---

8 یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف " اَلَا اِنَّ لِلّٰہِ نَفَحَاتٍ فِی الدَّھْرِ اَلَا فَتَعَرَّضُوا لَھَا " یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں - تم انکا کھوج لگاؤ اور انکو اپنے اوپر پڑنے دو ۱۲

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ ہر دل پہ چھا رہا ہے رعبِ جمال تیرا
کاوش میں ہے الٰہی دُگدا میں ہی طبیعی جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا
چھوٹے ہوئے ہیں گو جی۔ پر دل بندھے ہوئے ہیں ملنے سے بھی سوا ہے چھُٹنا محال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں یہاں ٹالتے رہی ہیں لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
اُنکی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا
دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے دل ہی سو چیز تیری۔ جاں ہے سو مال تیرا
ہی پورِ زال سے دل اُس کا قوی زیادہ رکھتی ہے آسرا یہاں جو پیرزال تیرا
ہی پاس دوستوں کے تیری یہی نشانی یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی یہ رنگ آشنائی
سُن سُن کے سر دھُنینگے قال اہل حال تیرا

رَہ بڑ میں دشتِ جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اِس نشے میں خمار دیکھا
نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے
رہے سدا نامراد جو یہاں اُنھیں بھی اُمیدوار دیکھا
رُخِ جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس چمن میں

نہ بلبل و گل ہیں وھاں تعلق نہ سرو قمری ہیں یار دیکھا
سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا
جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کھُلا بھی قسمت سے بھید تیرا
مِلا نہ کھوج اُس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا
لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پر خطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا
بچے ہوئے کاہشوں سے یھاں کئی ہی ہیں جو تیرے ہو رہے ہیں
وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا
چمن میں بھُولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
گل اُنکی نظروں میں چُبھتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا
خبر نہیں یہ کہ کیا ہے۔ کیسا ہے۔ کون ہے۔ اَور تو کہاں ہے
پہ اپنے میں اَور تجھ میں ہمنے علاقہ اک استوار دیکھا
سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلماں
نہ اُنسے کچھ تیرا بَیر پایا نہ اِنسے کچھ تیرا پیار دیکھا
سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیئے ہاتھ باندھ سب کے
جنھیں تھا یھاں اختیار سب کچھ اُنھیں بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بیکار تجھکو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

ق پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا   چھپتا نہیں جلال تمھارے شہید کا
مضموں ہی نقش دل میں لَدَیْنَا مَزِیْد کا   کونین سے بھریگا نہ دامن (۱) امید کا
قفلِ درِ مُراد سب اکبار کُھل گئے   چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا
دیکھا ہی ہمنے عالمِ رحمت کو غور سے   ہی شش جہت میں قحطِ دلِ نااُمید کا
شرمِ کرم کی ہیں یہی گر پردہ داریاں   انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا
ہی نردبانِ جذبۂ توفیق درمیاں   یھاں امتیاز کیا ہی قریب و بعید کا
ہی آسماں پہ تیرے جگر خوار کا دماغ   خونِ جگر میں نشّہ ہی جامِ نبید کا
تسکیں نہیں مشاہدۂ گاہ گاہ سے   یارب یہ روزہ دار ہی مشتاق عید کا
دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر   لَا تَقْنَطُوْا جواب ہی هَلْ مِنْ مَّزِيْد کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا بیانیاں
لیگا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا ۳

نعت

یا ملکیّ الصفات یا بشریّ القُویٰ   فیک دلیلٌ علیٰ انّک خیر الوریٰ
تجھسے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ باراں سے خاک   خلقک خصب الزمان بعثک محیا الوریٰ

---

8 قرآن شریف میں ہے "لَهُمْ مَّا يَشَاءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ" یعنی اہل جنت کے لیئے جنت میں جو کچھ وہ چاہینگے سب کچھ ہوگا اور (اسکے سوا) ہمارے پاس کچھ اور بھی ہے ۱۲

دعوٰئ روشن ترا ثابت بے بیّنہ
صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گوا

قال ترا اور حال نشۂ وحدت میں چور
اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا

غیب سے بھیجا تجھے۔ ٹاپتا پھرتا تھا جب
دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما

اُٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کیوقت
جیسے کہ ہنگامِ قحط قبلہ سے اُٹھے گھٹا

شان رسالت کی تھی تیری جبیں سے عیاں
گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جُدا

گلہ بنی سعد کا جب کہ چُراتا تھا تو
گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا

دَوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کے سب بیڑیاں
اُمّیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا

راہب و قسّیس و حبر رہ گئے دل تھام کر
دیکھکے تیرا قدم ہمقدمِ انبیا

خاک تھی جس ملک کی مزرعِ شرّ و فساد
تو نے اُسیکو دیا ارضِ مقدّس بنا

تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحّم کیا

چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھورے بہت
تو نے کیا دام دام قرض سب اُن کا ادا

تو نے کیا سرِّ حق عارف و عامی پہ فاش
ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا

چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی
ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا

حجتِ حق کر چکا دین ترا جب تمام
پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما

دَیر[8] ہوئے بے چراغ اور صلوٰتِ یہود
شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا

بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے
ہوگئی تثلیث مات اور ثنویت[9] فنا

---

[8] دیر۔ راہبوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ ہبا۔ غبار ناچیز ۱۲ [9] مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر اور ایک خالق شر یعنی یزداں اور اہرمن کو مانتے ہیں اس عقیدے کو ثنویت کہتے ہیں ۱۲

اُٹھے بہت مدّعی جیسے کہ ساون میں گھانس
مزبلہ پر چند روز باقی ہے نشو و نما
غیرتِ حق نے مگر جلد لیا انتقام
مل گئے اُٹھ اُٹھ کے سب خاک میں اہلِ ہوا
رہ گیا نامِ سَجاح[8] کذب میں ضرب المثل
اسود و ابن کثیر خوار ہوئے بر ملا
سلسلۂ انبیا ختم نہ ہوتا۔ اگر
حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اُٹھا
آتے ہی چشمہ دیا تو نے کوئیں سے نکال
جس کو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ
بھیج چکا تیرے ہاتھ ملّتِ بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام ربِّ سمٰوات سے
روز و شب و صبح و شام قدرِ رمال و حصےٰ

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا اُسکو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا اُسکو گرا کے چھوڑا
رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ
جو گنج تو نے تاکا اُسکو لٹا کے چھوڑا
جس رہگذر میں بیٹھا تو غولِ راہ بن کر
صنعاں سے رہرو کو رستہ بھلا کے چھوڑا
فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیریں
اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا
یعقوبؑ سے بشر کو دی تو نے ناصبوری
یوسفؑ سے پارسا پر بہتاں لگا کے چھوڑا
لاگ اور لگاؤ دونو ہیں دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جن کے اُنکو رُلا کے چھوڑا

---

[8] سَجاح۔ ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جسکا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں ھو اکذب من سجاح اور اسود عنسی اور مسیلمہ جسکو کذاب [illegible] یہ دونو بھی مدعی نبوت تھے جو آخر کار قتل کیے گئے ۱۲

عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جہاں کی   عقل و خرد کا تو نے خاکا اُڑا کے چھوڑا
علم و ادب رہے ہیں دبتے ترے ہمیشہ   ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دِلا[۸] کے چھوڑا
افسانہ تیرا رنگیں روداد تیری دلکش   شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا
اِک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا ۵

دیکھ اے اُمید کیجو ہم سے نہ تو کنارا   تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا
یوں بے سبب زمانہ پھرتا نہیں کسی سے   اے آسماں کچھ اسمیں تیرا بھی ہے اشارا
میخانہ کی خرابی جی دیکھکر بھر آیا   مدت کے بعد کل واں جا نکلے تھے قضارا
اِک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے   اے زاہدو تمہارا ہے اسمیں کیا اجارا
دنیا کے خرخشوں سے چیخ اُٹھّے تھے ہم اول   آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا
توفیق نے ہمیشہ لی تھنت پر خبر یہاں   جب ناؤ ڈگمگائی پاس آ گیا کنارا
انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے   جتنے ہنر تھے اپنے عالم میں آشکارا
افسوس اہل دیں بھی مانندِ اہلِ دنیا   خود کام و خود نما ہیں خودبیں ہیں اور خود آرا
اُمت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر   اسلام ہے فقیہو ممنون بہت تمہارا
کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہوئے چُپ   سب کچھ کہا انھوں نے پر ہمنے دم نہ مارا
حالی سے کام ہے یہاں فعلوں سے اُسکے کیا کام
اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یار ہے ہمارا ۶

---

[۸] دِلانا کشتی دلانا یعنی پچھاڑنا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کرکے صرف دلانا بولتے ہیں ۱۲

رونا نہو گا حالی شاید یہ کم تمہارا   جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہے نم تمہارا
الفت میں دمبدم کچھ لذت ہی بڑھتی جاتی   چھوڑیگا کھا کے شاید عاشق کو غم تمہارا
عاقل ہیں شہر میں کم ناداں بہت ہیں واعظ   ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمہارا
دلجو نہیں کوئی یہاں حیف اے صنم پرستو   دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمہارا
گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤگی تم   اپنی نظر میں ہوگا گر وزن کم تمہارا
دشتِ طلب کے رستو طے ہو گے کسطرح تم   آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمہارا
دو بینواؤنکو بھی کچھ جم کے جانشینو   بس جامِ جم ہمارا اور مُلکِ جم تمہارا
روسی ہوں یا تتاری ہمکو ستائینگے کیا   دیکھا ہے ہمنے برسوں لطف و کرم تمہارا
کھولی ہیں تمنے آنکھیں اے حادثو ہماری   احسان یہ نہ ہرگز بھولینگے ہم تمہارا
ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دیے سوارو   ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمہارا
رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم بھی جا ملوگے   گذرا ابھی ہے یہاں سے خیل و حشم تمہارا
پھرتے اِدھر اُدھر ہو کسکی تلاش میں تم   گم ہے تمہیں میں یارو باغ ارم تمہارا

جادو رقم تو مانیں ہم دل سے تمکو حالی
کچھ کرکے بھی دکھائے زورِ قلم تمہارا ›

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں توانا   پُہنچا ہے بس اب کوچ کا تم سمجھو زمانا
خود مہرِ وطن سے ہی وداع اب کے سفر میں   جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
دلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر   گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا

یارب طلبِ وصل ہو یا ہو طربِ وصل
جس دن کہ یہ دونو نہوں وہ دن نہ دکھانا
دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرماں
چھل بل ہیں تم اس زال فسونگر کی نہ آنا
افسوس کہ غفلت میں کٹا عہد جوانی
تھا آب بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا
یاروں کو ہمیں دیکھکے عبرت نہیں ہوتی
اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سنانا
دنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن
وہ دن ہے کہ جسدن ہی اسے چھوڑ کے جانا
لی ہوش ہیں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا
ڈھارس سی کچھ اے ہمقدمو تمسے بندھی ہے
حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا ۸

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجئے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجئے گا
ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی۔ نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُسکو تصور اپنا نہ کیجئے گا
سُنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعوے
یہ۔ کہدو۔ دعوی بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجئے گا
اِسی میں ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہمکو
کرے وہ یاد۔ اس کی بھُول کر بھی کبھی تمنّا نہ کیجئے گا
کہے اگر کوئی تم کو واعظ! کہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہو

زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اِس کی پروا نہ کیجیے گا

کمال ہے ضدِّ بے کمالی۔ نہیں ملاپ انہیں حرف گیر؟!
جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بے جا نہ کیجیے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ دردِ الفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترکِ دنیا نہ کیجیے گا

تمہارا اتحاد دستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
سلوک اُس سے کیئے یہ تمنے تو ہمسے کیا کیا نہ کیجیے گا ،۱

ہو عزمِ دَیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا   آتا ہی دور ہی سے ہمکو نظر گھر اپنا
قیدِ خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم   وحشت رہیگی دل کی دکھلا کے جوہر اپنا
پیرِ مغاں سے ہو کر تب سُرخرو ملینگے   فضل و ہنر کا ہوگا جب چاک محضر اپنا
بیگانہ وش ہی گر وہ تو ہی ہمارے ڈھب کا   ایسوں ہی سے نبھا ہے یارانہ اکثر اپنا
عصمت پہ اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی   گر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک محضر اپنا
کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذبِ حق نُما ہے   یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہی دفتر اپنا

غیروں کو لینگے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنوں ہی سے ہی حالی کچھ دل مکدّر اپنا ۱۰

معنی کا تمنے حالی دریا اگر بہایا   یہ تو بتائیں حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا
اے بانگِ طبلِ شاہی دن ہو گیا جب آخر ، خوابِ گراں سے تو نے ناحق ہمیں جگایا

تھا ہوش یادِ گل کا دورِ خزاں میں کسکو
اے عندلیبِ نالاں یہ تونے گل کھلایا
ویراں ہے باغ تسپر پھولی نہیں سماتی
مژدہ صبا نے یارب بلبل کو کیا سُنایا
اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
گھر ہی بگاڑ ڈالا تونے بَنَا بنایا
ڈرتے رہینگے اب ہم بے جرم بھی سزا سے
احسان اُسکا جسنے ناحق ہمیں ستایا
واعظ کی حجتوں سے قائل تو ہوگئے ہم
کوئی جواب شافی پر اُس سے بن نہ آیا
آیا نہ تھا کبھی یہاں گویا قدم خزاں کا
دو دن میں یوں پلٹ دی کسنے چمن کی کایا
تقلیدِ قوم ہی پر گر ہے مدارِ تحسیں
تو ہمنے دوستوں کی تحسیں سے ہاتھ اُٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر میں حالی بچا نہ اپنی
جو جو گماں تھے ہمکو اُن کا نشاں نہ پایا ،،

نفس دعوٰی بے گناہی کا سدا کرتا رہا
گرچہ اُترے جی سے دل اکثر اِبا کرتا رہا
حق نے احساں میں نہ کی اور میں نے کفراں میں کمی
وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چُپکے چُپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا
طاعنوں کی زد سے بچ بچ کر چلا راہِ خطا
وار اُن کا اسلیئے اکثر خطا کرتا رہا
نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی
اُسکو۔ حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا
مونہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہ میں
اُنسے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
تھا نہ استحقاقِ تحسیں پر سُنی تحسیں سدا
حق ہے جو دوں ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا
شہرت اپنی جسقدر بڑھتی گئی آفاق میں
کبرِ نفس اُتنا ہی یہاں نشو و نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر
نفس پر اپنے سدا ظالم جفا کرتا رہا ۱۱

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱ کہیں کشف اپنا جتلانا پڑے گا
نہ صوفی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
نصیحت بے اثر ہی گر نہ ہو درد یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا
جنھیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا انھیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا
عوام الناس کا ہو گا جنھیں مونہ انھیں خاصوں پہ مونہ آنا پڑے گا
رہے وصفِ جناں کی مشق واعظ تمھیں بچوں کو پھسلانا پڑے گا
سخن میں پیروی کی گر سلف کی انھیں باتوں کو دہرانا پڑے گا
تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ قطعہ ۱ یہ عقدہ ہمکو سلجھانا پڑے گا
بہت یہاں ٹھوکریں کھاتی ہیں ہمنے ۲ بس اب دنیا کو ٹھکرانا پڑے گا
نہیں بو انس کی اس غمکدے میں ۳ کہیں دل جا کے بہلانا پڑے گا
دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا
زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہمکو پچھتانا پڑے گا
جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا

بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جبتک
اُسے دُنیا کا غم کھانا پڑے گا ۱۲

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا   یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
عزیزو کہاں تک یہ آتش مزاجی   تمہیں جلد تر خاک ہونا پڑے گا
رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی   بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑیگا
بن آئے گی ہرگز نہ یہاں کچھ کیے بن   جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا ؛

کبتک اے ابرِ کرم ترسائے گا   مینہ بھی رحمت کا کبھی برسائیگا
پھل کچھ اے نخلِ وفا تجھ میں نہیں   جو لگائے گا تجھے پچتائے گا
دوست کا آیا ہی سمجھو اب پیام   آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
ذوق سب جاتے رہے جز ذوقِ درد   اک یہ لپکا دیکھیے کب جائے گا
واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے   قطعہ ۱   پر مزا آنے کا یہاں کیا پائے گا
آئے گا اور ہمکو شرمائیگا مفت   ۲   اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم   ۳   ہم پہ مونہ آئے گا مونہ کی کھائے گا
دل کے تیور ہی کہے دیتے تھے صاف   رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا
باغ و صحرا میں رہے جو تنگ دل   جی قفس میں اُسکا کیا گھبرائے گا
رنگ گردوں کا ہے کچھ بدلا ہوا   قطعہ ۱   شعبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا
ابر و برق آئے ہیں دونو ساتھ ساتھ   ۲   دیکھیے برسے گا یا برسائے گا

برسنا۔ غصہ ظاہر کرنا ۱۲

مشکلوں کی جسکو ہے حالی خبر
مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

وھاں اگر جائیں تو لیکر جائیں کیا   مونہ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا
دل میں ہے باقی وہی حرصِ گناہ   پھر کیے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا
اوّلیں اُسکو ہمیں جا کر منا   اُس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہے اُنس   ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا
جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو   کھیل قُدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی   مرحلے اَب دیکھئے پیش آئیں کیا
دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر   سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا
ہان لیجے شیخ جو دعوٰے کرے   اک بزرگِ دیں کو ہم جُھٹلائیں کیا

ہو چکے حالی غزلخوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا ١٦

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا   اک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا
کر دیا اُس نے تو اللہ سے غافل۔ ناصح!   اُس کو کیوں بھولتے گر اِس کو بھلایا جاتا
چُپ چپاتے اُسے دے آتے دل اک بات پہ ہم   مال مہنگا نظر آتا تو چُکایا جاتا
شب کو زاہد سے نہ مٹ بھیڑ ہوئی خوب ہوا   نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا
دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دُکھ جاتا ہے   چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دُکھایا جاتا

نامہ بر آج بھی خط لے کے نہ آیا یارو
تم تو کہتے تھے کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا
عشق اُس وقت سے سر پر ترے منڈلاتا تھا
گو دیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا
لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ
اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا
بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دُنیا
ہمسے اَب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا
کرتے کیا پیتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح
وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا
دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غمِ عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اُٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا
عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا **حالی**
کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا ''

راحت کا جہاں میں یونہیں اک نام ہے گویا
راحت کی تلاش اک طمعِ خام ہے گویا
کچھ کرتے ہیں جو یہاں وہی انگشت نما ہیں
بدنام ہی دُنیا میں نکو نام ہے گویا
ناچیز ہیں وہ کام۔ نہیں جن پہ کچھ الزام
جو کام ہیں۔ اُن کا یہی انعام ہے گویا
ہے وقتِ رحیل اور وہی عشرت کے ہیں ساماں
آخر ہوئی رات اور ابھی یہاں شام ہے گویا
اُٹھا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بُری طرح
آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا
ادبار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام
اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا
جب دیکھیے **حالی** کو پڑا پائیے بیکار
کرنا اُسے باقی یہی اک کام ہے گویا

ق خلوت میں تری صوفی گر نور صفا ہوتا   تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا
تھا آفتِ جاں اُس کا اندازِ کمانداری   ہم بچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا
کچھ اپنی حقیقت کی گر تجھکو خبر ہوتی   میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا
یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سُنا قاصد   اَنْ پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
باتوں میں شکایت کی بو آتی ہے الفت کی   گر دل میں جگہ ہوتی لب پر بھی گلا ہوتا
ہم روزِ وداع اُس سے ہنس ہنس کے ہوئے رخصت   رونا تھا بہت ہمکو روتے بھی تو کیا ہوتا
گر صاحبِ دل ہوتے سُن کر مری بیتابی   تمکو بھی قلق ہوتا اور مجھسے سوا ہوتا
جو دل پہ گذرتی ہے کیا تجھکو خبر ناصح   کچھ ہمسے سُنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
جو جان سے درگذرے وہ چاہے سو کر گذرے   گر آج نہ تم آتے کیا جانیئے کیا ہوتا

کَلْ حالیِ دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ
سُننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سُنا ہوتا

ق پیش از ظہورِ عشق کسی کا نشاں نہ تھا   تھا حُسن میزبان کوئی میہماں نہ تھا
ہمکو بہار میں بھی سرِ گلستاں نہ تھا   یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادماں نہ تھا
ملتے ہی اُنکے بھول گئیں کلفتیں تمام   گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا
کیا جانتے تھے جائیگا جی ایک نگاہ میں   تھی دل کی احتیاط مگر بیمِ جاں نہ تھا
سچ ہے کہ پاسِ خاطرِ نازک عذاب ہے   تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہرباں نہ تھا
کچھ میری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں   تم جاننا کہ بزم میں اک خستہ جاں نہ تھا

رات انکو بات بات پہ سو سو دیئے جواب   مجکو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا
رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یہاں   طعنِ رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل میں چبھ گئی   مانا کہ اُسکے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا

بزمِ سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن میں حالی جادو بیاں نہ تھا [19]

رنج اور رنج بھی تنہائی کا   وقت پہنچا مری رُسوائی کا (ق)
عمر شاید نہ کرے آج وفا   کاٹنا ہے شبِ تنہائی کا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا   کس کو دعوٰی ہے شکیبائی کا
ایک دن راہ پہ جا پہنچے ہم   شوق تھا بادیہ پیمائی کا
اُس سے نادان ہی بن کر ملیئے   کچھ اجارہ نہیں دانائی کا
سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آنکھ   حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
درمیاں پائے نظر ہے جبتک   ہمکو دعوٰے نہیں بینائی کا
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی   ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
اُسکو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل   مجکو ڈر ہے تری خود رائی کا
بزمِ دشمن میں نہ جی سے اُترا   پوچھنا کیا تری زیبائی کا
یہی انجام تھا اے فصلِ خزاں؟   گل و بلبل کی شناسائی کا
مدد اے جاذبۂ توفیق کہ یہاں   ہو چکا کام توانائی کا

محتسب عذر بہت ہیں لیکن   اذن ہم کو نہیں گویائی کا
ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا ۲۰

ق
اغماض چلتے وقت مُروّت سے دور تھا   رو رو کے ہمکو اور رُلانا ضرور تھا
تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یہاں   ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا
دردا کہ لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز   چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا
جانی نہ قدرِ رحمتِ حق پارسا نے کچھ   ٹھہرا قصوروار اگر بے قصور تھا
دُردی کشانِ بزمِ مُغاں کا نہ پوچھ حال   ایک ایک رند نشۂ وحدت میں چور تھا
اب باریابِ انجمنِ عام بھی نہیں   وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا
روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا   کچھ صُبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا
بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر   بہرِ نمازِ نعش پہ آنا ضرور تھا
حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں
تھا حوصلہ اُسیکا کہ اتنا صبور تھا ۲۱

ق
دل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائیگا   سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائیگا
تمکو ہزار شرم سہی مجکو لاکھ ضبط   اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا
اے دل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست   زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائیگا
دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں   اب ہم سے مُونہ میں موت کے جایا نہ جائیگا

مے تند و ظرفِ حوصلۂ اہلِ بزم تنگ   ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا
راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی۔ مگر   دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا
کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے   پوچھینگے ہم سبب تو بتایا نہ جائے گا
بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ   ہم وہ نہیں کہ ہمکو منایا نہ جائے گا
ملنا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پر   کِس کِس سے اختلاط بڑھایا نہ جائے گا
مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اسقدر   یعنی وہ ڈھونڈھتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دیں کے نہ حالی پڑیں بس آپ
قصّہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا ۲۲

ق

قلق اَور دل میں سوا ہو گیا   دلاسا تمھارا بلا ہو گیا
دکھانا پڑیگا مجھے زخمِ دل   اگر تیر اُس کا خطا ہو گیا
سبب ہو نہ ہو لب پہ آنا ضرور   مرا شکر اُس کا گِلا ہو گیا
وہ اُمّید کیا جس کی ہو انتہا   وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
ہوا رُکتے رُکتے دمِ آخر فنا   مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا
نہیں بھولتا اُسکی رخصت کا وقت   وہ رو رو کے مِلنا بلا ہو گیا
سماں کَل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد   ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا
سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا   وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
نہ دے میری اُمید مجھکو جواب   رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا ''

(ق) سنگِ گراں ہے راہ میں تمکین یار کا　　اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بے قرار کا
اِک خو سی ہو گئی ہے تحمّل کی ورنہ اب　　وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا
او مٹا بھی وہ خلشِ آرزوئے قتل　　کیا اعتبار زندگیِ مُستعار کا
ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگوار ہو　　ملتا نہیں محل گلۂ روزگار کا
سمجھو مجھے اگر تمہیں ہے آدمی کی قدر　　میرا اِک التفات نہ مرنا ہزار کا
اگر صبح تک وفا نہ ہوا وعدۂ وصال　　سُن لینگے وہ مآل شبِ انتظار کا
اب محو بوئے گل یہ ہوا کب دلِ حزیں　　ہمکو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا
ہر سمت گردِ ناقۂ لیلےٰ بلند ہے　　پہُنچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غرُبت کے مشغلوں نے وطن کو بھُلا دیا　　خانہ خراب خاطرِ اُلفت شعار کا

حالی بس اب یقیں ہے کہ دِلّی کے ہو رہے
ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا ''

ب

دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب　　کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمۂ زندگی ہے۔ ذِکرِ جمیل　　خضر و آب بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہے نفس کی تسخیر　　ظِلِّ بالِ ہُما سے کیا مطلب

جو کرینگے بھرینگے خود۔ واعظ
تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنکے معبود حور و غلماں ہیں
اُنکو زاہد خدا سے کیا مطلب
کام ہے مردمی سے انساں کی ۱ قطعہ
زُھد یا اتقا سے کیا مطلب
ہے اگر رند دامن آلودہ ۲
ہمکو چون و چرا سے کیا مطلب
صوفیِ شہر باصفا ہے اگر ۳
ہو۔ ہماری بلا سے کیا مطلب
نگہتِ مے پہ غش ہیں جو حالی
اُنکو دُرد و صفا سے کیا مطلب ۲۵

ق
مجھ میں وہ تابِ ضبطِ شکایت کہاں ہے اب
چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی مونہ میں زباں ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبطِ راز تھا
چہرے سے اپنے شورشِ پنہاں عیاں ہے اب
جس دل کو قیدِ ہستیِ دنیا سے ننگ تھا
وہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں ہے اب
آنے لگا جب اُس کی تمنّا میں کچھ مزا
کہتے ہیں لوگ جان کا اسمیں زیاں ہے اب
لغزش نہو۔ بلا ہے حسینوں کا التفات
اے دل سنبھل وہ دشمنِ دیں مہرباں ہے اب
اک جرعۂ شراب نے سب کچھ بُھلا دیا
ہم ہیں اور آستانۂ پیرِ مُغاں ہے اب
ہے وقتِ نزع اور وہ آیا نہیں ھنوز
ہاں جاذبِ دل مدد کہ دم امتحاں ہے اب
ہے دل غمِ جہاں سے سبکدوش اِن دنوں
سر پڑتا سوجھتا کوئی بارِ گراں ہے اب
حالی تم اور ملازمتِ پیرِ مے فروش
وہ علم دیں کدھر ہے وہ تقویٰ کہاں ہے اب ۲۶

پ

یہ ہیں واعظ سب پہ مُونہ آتے ہیں آپ   ناصحِ قوم اسپہ کہلاتے ہیں آپ
بس بہت طعن و مُلامت کر چکے   کیوں زباں رندوں کی کُھلواتے ہیں آپ
ہے صراحی میں وہی لذت کہ جو   چڑھکے منبر پر مزا پاتے ہیں آپ
واعظو ہے اُن کو شرمانا گناہ   جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ
کرتے ہیں ایک اک کی تکفیر آپ کیوں؟ ۱ اِسپہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ
کرتے ہیں آباد دوزخ کو حُضور ۲ خلد کو ویران کرواتے ہیں آپ
چھیڑکر واعظ کو حالی خُلد سے   بسترا کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

۱۲

ت

گو جوانی میں تھی کجرائی بہت   پر جوانی ہمکو یاد آئی بہت
زیرِ برقع تو نے کیا دکھلا دیا   جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت
ہٹ پہ اُسکی اَور پس جاتے ہیں دل   راس ہے کچھ اُس کو خود رائی بہت
سرو یا گل آنکھ میں بچتے نہیں   دل پہ ہے نقش اُسکی رعنائی بہت
چُور تھا زخموں میں اور کہتا تھا حُرؑ   راحت اِس تکلیف میں پائی بہت
آ رہی ہے چاہِ یوسفؑ سے صدا   دوست یہاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت
وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے   مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اُٹھے مری   ہیں فدائی کم تماشائی بہت
ہمنے ہر ادنےٰ کو اعلےٰ کر دیا   خاکساری اپنی کام آئی بہت
کر دیا چپ واقعاتِ دہر نے   تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت
گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی؟   یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت؟

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت ۱۸

اُسکے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت   نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل   کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت
ہے غمِ روزِ جدائی نہ نشاطِ شبِ وصل   ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت
اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار   اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت
دیکھیے شیخ مصور سے کھچے یا نہ کھچے   صورت۔ اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت
واعظو آتشِ دوزخ سے جہاں کو تمنے   یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت
کیا خبر زاہدِ قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص   اُسنے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت
میں بچا تیرِ حوادث سے نشانہ بن کر   آڑے آئی مرے۔ تسلیم سپر کی صورت
شوق میں اُسکے مزا۔ درد میں اُسکے لذت   ناصحو اُس سے نہیں کوئی مفر کی صورت
حملہ اپنے پہ بھی اک بعدِ ہزیمت ہے ضرور   رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت
رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا   راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار   پر ڈرانی ہے بہت آج بھنور کی صورت

اُنکو حالی بھی بُلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپکے گھر کی صورت

ق

بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت   پہ چھپتی نہیں سرگرانی کی صورت
جسے دیکھکر دل ہو عاشق کا بے کل   وہ ہے اور ہی مہربانی کی صورت
شبِ وعدہ۔ ہی بارِ عام اُنکے در پر   مرے حق میں اک پاسبانی کی صورت
غمِ دل نے رسوا کیا ہمکو آخر   بنائی بہت شادمانی کی صورت
ہی اس ریش پر وسمہ کیا خوب کھُلتا   ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت
یقیں ہے کہ ہم جسکو سمجھے ہیں مرنا   یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

سمجھکر کرو قتل حالی کو دیکھو
مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ٹ

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اُچاٹ   دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ
رچ رہی ہے کان میں یہاں لَے وہی   اور مُغنّی نے کئی بدلے ہیں ٹھاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت   اَور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
اک کہانی پیرزن کی رہ گئی   راج کسرےٰ کا رہا باقی نہ پاٹ
دَیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں پر   ہے مگر یہاں جی کچھ اے زاہد اُچاٹ

جو کہے تجھکو بنا دیں اے امیر ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
ملّتیں رستوں کے ہیں سب ہیر پھیر سب جہازوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چیز پر ٹڈّیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ
تیغ میں بُرّش یہ اے حالی نہیں جسقدر تیری زباں کرتی ہے کاٹ
چٹکیاں سی دل میں یہ لیتا ہی کون
شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے سپاٹ ۳۱

ث

باپ کا ہے جبھی پسر وارث ہو ہنر کا بھی اُسکے گر وارث
گھر ہنرور کا ناخلف نے لیا تیرا ہے کون اے ہنر وارث
فاتحہ ہو کہاں سے میّت کی لیگئے ڈھو کے سیم و زر وارث
ہوں اگر ذوقِ کسب سے آگاہ کریں میراث سے حذر وارث
خاک و کرمانِ گور و خویش و تبار ایک میّت اور اسقدر وارث
واعظو دین کا خدا حافظ انبیا کے ہو تم اگر وارث
قوم بے پر ہے دین بے کس ہے گئے اسلام کے کدھر وارث
ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف جیسے مردہ کے مال پر وارث
ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میت پہ نوحہ گر وارث ۳۲

بھید واعظ اپنا کُھلوایا عبث
دل جلوں کو تو نے گرمایا عبث

جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
رات بھر یاروں کو چخوایا عبث

شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز
سب کو مُلزم تو نے ٹھہرایا عبث

کوئی پنچھی آ کے اب پھنستا نہیں
آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث

آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم
تو نے زاہد ہمکو شرمایا عبث

کھیتیاں جلکر ہوئیں یاروں کی خاک
ابر ہے گِھر کر اِدھر آیا عبث

قوم کا حالی پَنَپنا ہے مُحال
تم نے رو رو سب کو رُلوایا عبث

[illegible]

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج
بول کر ہمنے مُونہ کی کھائی آج

چُپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ
بات بگڑی بنی بنائی آج

شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی
پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج

بزم ساقی نے دی اُلٹ ساری
خوب بھر بھر کے خُم لُنڈھائی آج

معصیت پر ہے دیر سے یارب ۱ قطعہ
نفس اور شرع میں لڑائی آج

غالب آتا ہے نفسِ دوں یا شرع ۲
دیکھنی ہے تری خدائی آج

چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو
نیند پھر رات بھر نہ آئی آج

گُل یہاں کاربار ہیں سب بند
کر لو کرنی ہے جو کمائی آج

زَوْ سے الفت کی بچکے چلنا تھا
مُفت حالی نے چوٹ کھائی آج ۳۴

تلخیِ دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج   یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
رنج و شادی یہاں کے ہیں سب بے ثبات   اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
تھا قناعت میں نہاں گنجِ فراغ   پر ہمیں بیوقت ہاتھ آیا یہ گنج
فکر و سن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ   ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج
ہمکو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا   جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلہ سنج
آگئی مرگِ طبیعی ہمکو یاد   شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج
راہ اب سیدھی ہے حالی سوئے دوست   ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

۳۵

چ

بزمِ مے اچھی ہے۔ گو دُنیا ہے اے میخوار ہیچ
یہاں سمجھ لیتے تو ہیں دُنیا کو دم بھر یار ہیچ

نفس سے سر بر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
ایک دشمن بر سرِ کیں ہو تو ہیں سب یار ہیچ

شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز
ہی یہ سب اونچی دُکاں اور رونقِ بازار ہیچ

شاہدِ معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہیں
سبحۂ و سجادہ ہیچ اور جُبّہ و دستار ہیچ

ہو گرجتے جسقدر اُتنے برستے تم نہیں
اے فصیحو ہے یہ سب گفتارِ بے کردار ہیچ

روئی تو آٹھ آٹھ آنسو اور پسیجا دل نہ ایک
نکلے موتی تیرے سب اے چشمِ گوہر بار ہیچ

خوانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مُردار خوار
کر دیئے آفاق کے سب خوان و خواں سالار ہیچ

ہے ادب مسند پہ - جو کچھ ہے رئیسِ شہر کا
ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار ہیچ

گو کہ حالی اگلے اُستادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

ح ۳۶

کاٹئے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

منزلِ دُنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہماں سرا میں میہمانوں کی طرح

سعی سے اُکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حُکمرانوں کی طرح

شادمانی میں گذرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

رکھتے ہیں تمکیں جوانی میں بُڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں ایک اک کا یگانوں کی طرح

آس کھیتی کے پنپنے کی اُنھیں ہو یا نہ ہو
ہیں اُسے پانی دیئے جاتے کسانوں کی طرح

اُنکے غُصّے میں ہے دلسوزی۔ ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

کام سے کام اپنے اُنکو۔ گو ہو عالم نکتہ چیں
رہتے ہیں بتّیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سُن سُن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار

دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجے کیا حالی۔ نہ کیجے سادگی گر اختیار
بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

خ

مےِ مُغاں کا ہے چسکا اگر بُرا اے شیخ   تو ایسی ہی کوئی چاٹ اَور دے لگا اے شیخ
ریا کو صدق سے ہی جامِ مے بدل دیتا   تمھیں بھی ہے کوئی یاد ایسی کیمیا اے شیخ
وہ نکلے بھان متی جو بناتے تھے اکسیر   تماشے دیکھے ہیں یہ ہمنے بارہا اے شیخ
غُرورِ فقر و غُرورِ غنا میں فرق ہے کیا   تجھیُ پہ رکھتے ہیں ہم منحصر بتا اے شیخ
زباں پہ ہوتی ہی مُہر اُنکی جو ہیں محرمِ راز   پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادّعا اے شیخ
قطعہ ۱ خبر بھی ہے تمھیں ہے کیا بَن رہی ہی بیڑے پر   ہیں آپ جو لئے بیڑیکے ناخدا اے شیخ
۲ وہ ڈوبتوں سے الگ ہٹتے ہیں جو ہیں تیراک   شناوری کا یہی گُر ہے۔ مرحبا اے شیخ
گو زن و گور ہیں بچپن سے تارکِ دنیا   نہایت آپ کی ہے۔ اُنکی ابتدا اے شیخ
کمالِ حسنِ عقیدت سے آیا تھا حالی   پہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ

د

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد   اب خوف کے سوا ہے دھڑکا رجا کے بعد
ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور   ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد
تعزیرِ جُرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب   بڑھتا ہی اَور ذوق گنہ یھاں سزا کے بعد

اگر دردِ دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا   آتی ہے دل کی موت نظر اِس شفا کے بعد
یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اُسکی یاد   آئے گے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد
کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم   ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
آخر کو ماننا پڑا اے نفسِ خیرہ سر   تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قضا کے بعد
مدت سے تھی دعا کہ ہوں بدنام شہر شہر   بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سُن لو اور صدائیں جگر خراش
دلکش صدا سنو گے نہ پھر اِس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد   تیرا قبلہ ہے جدا میرا جدا اے زاہد
در گذر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے   تو ترا اور کوئی ہوگا خدا اے زاہد
ہم دکھا دینگے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور   کچھ بہت دور نہیں روزِ جزا اے زاہد
قربِ حق کے لیئے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور   خشک نفلوں میں دھرا کیا ہی بھلا اے زاہد
میں تو سو بار ملوں دل نہیں ملتا تمسے   تو ہی کہہ اسمیں ہے کیا میری خطا اے زاہد
جال جبتک ہی یہ پھیلا ہوا دینداری کا   فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد
عیب **حالی** کے بہت آج کیئے تو نے بیاں   ذکر کچھ اور کر اب اسکے سوا اے زاہد

ذ

پیاس تیری بوی ساغر سے لذیذ   بلکہ جامِ آبِ کوثر سے لذیذ
جسکا تو قاتل ہو پھر اُسکے لیئے   کونسی نعمت ہی خنجر سے لذیذ

لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب   ہمکو ہے سب شہد و شکّر سے لذیذ
قند سے شیریں تری پہلی نگاہ   دوسری قندِ مکرّر سے لذیذ
جھانجھ میں جس بھوک کی بھولے نہ تو   بھوک ہے وہ شیر مادر سے لذیذ
ہے یہ تجھمیں کس کی بو باس اے صبا   بوئے بید و مشک و عنبر سے لذیذ
جو قناعت کے ہیں حالی میہماں   اُنکو فاقے ہیں مزعفر سے لذیذ

۳

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر   وہی اصرار ہے خطاؤں پر
رہیں نا آشنا زمانہ سے   حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
رہرو و باخبر رہو کہ گُماں   رہزنی کا ہے رہنماؤں پر
ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہی کیا   مرتے ہیں ہم اُنھیں اداؤں پر
اُسکے کوچہ میں ہیں وہ بے پر و بال   اُڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
شہسواروں پہ بند ہے جو راہ   وقف ہے یہاں برہنہ پاؤں پر
نہیں مُنعم کو اُسکی بوند نصیب   مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
نہیں محدود بخششیں تیری   زاہدوں پر نہ پارساؤں پر

حق سے درخواست عفو کی حالی
کیجے کس مُونہ سے اِن خطاؤں پر

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر   ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر

جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار   عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اسکے ہیں نہ اُسکے آشنا   گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم   گو دکھاتے آپ کو ہیں شیرِ نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقیں   کرتے ہیں نفرت بدی سے جسقدر
کرنی پڑتی ہے کسیکی مدح جب   کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر
گر کسیکا عیب سُن پاتے ہیں ہم   کرتے ہیں رسوا اُسے دل کھول کر
کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی   شکر کے ہیں اُس سے خواہاں عمر بھر
ایک رنجش میں بُھلا دیتے ہیں سب   ہوں کسی کے ہمپہ لاکھ احساں اگر
عیب کچھ گنتے نہیں اُس عیب کو   جس سے ہوں اپنے سوا سب بیخبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں   کھینچکر لاتے ہیں اُسکو سوئے شر
بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو   عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہنر
دوست اک عالم کے پرمطلب کے دوست   ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون
خواہشِ تحسیں ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قرباں کیئے بغیر   دام اُٹھّیں گے نہ جنس کے ارزاں کیئے بغیر
گو ہو شفا سے یاس پہ جبتک ہے دم میں دم   بن آئے گی نہ درد کا درماں کیئے بغیر
بگڑی ہوئی بہت ہی کچھ اس باغ کی ہوا   یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کیئے بغیر

آمادہ دہر۔ پردہ دری پر ہے قوم کی　　مبروص کو رہے گا نہ عُریاں کیئے بغیر
عزّت سے اپنی یارونکو کچھ آپڑی ہے ضد　　چھوڑینگے نیمجاں کو نہ بے جاں کیئے بغیر
مشکل بہت ہی گو کہ مٹانا سلف کا نام　　مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آساں کیئے بغیر
گو مے ہے تُند و تلخ۔ پہ ساقی ہے دلرُبا　　اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کیئے بغیر
تکفیر جو کہ کرتے ہیں ابنائے وقت کی　　چھوڑے گا وقت اُنھیں نہ مسلماں کیئے بغیر

حالی کٹیگا کاٹنے ہی سے یہ بیتوں
حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کیئے بغیر

ڑ

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اُجاڑ　　ہو گئی ایک اک گھڑی تجھ بن پہاڑ
آجتک قصرِ اَمَل ہے ناتمام　　بندھ چکی ہی بارہا کھُل کھُل کے پاڑ
ہے پہُنچنا اپنا چوٹی تک محُال　　اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ
کھیلنا آتا ہے ہمکو بھی شکار　　پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ
دل نہیں روشن تو ہیں کِسکام کے　　سو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
عید اور نوروز ہے سب دل کے ساتھ　　دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اُجاڑ
کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار　　کِشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ
بات واعظ کی کوئی بگڑی گئی　　ان دنوں کمتر ہے کچھ ہم پر لتاڑ
تم نے حالی کھولکر ناحق زباں　　کرلیا ساری خدائی سے بگاڑ ۹۹

نما

عہدِ وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز   عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز   ق
پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز   جھونکا نسیمِ مصر کا آیا نہیں ہنوز
لگ جائے دل نہ منزلِ مقصود میں کہیں   ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
آیا نہ ہوگا اُسکو تغافل میں کچھ مزا   ذوقِ نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز
ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا   اُسنے نقاب رُخ سے اُٹھایا نہیں ہنوز
یھاں دیچکی جواب امیدِ جوابِ خط   وھاں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز
پایا ہے ذوق و شوق میں ہمکو بھرا ہوا   کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز
کیا دل سے بعدِ مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد   بھولے ہمیں کہ تجھکو بھلایا نہیں ہنوز
سرمایۂ خلافِ دو عالم ہے رازِ دل   باتوں میں ہمنے زہر ملایا نہیں ہنوز

کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اسقدر
حالی نے جام مونھ سے لگایا نہیں ہنوز (۱)

جیتے جی موت کے تم مونہ میں نہ جانا ہرگز   دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر بازوں کی   دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی   زد میں تیرِ صفِ مژگاں کی نہ جانا ہرگز
چاہت اک طلعتِ مکروہ ہی برقع میں نہاں   کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
ہاتھ ملنے نہ ہوں پیری میں اگر حسرت سے   تو جوانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز

جتنے رَستے تھے ترے ہوگئے ویراں ای عشق   آکے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز
کوچ سب کر گئے دلّی سے ترے قدرشناس   قدر یہاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز
تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ   نہ سُنا جائیگا ہم سے یہ فسانہ ہرگز
داستاں گل کی خزاں میں نہ سُنا اے بلبل   ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رُلانا ہرگز
ڈھونڈھتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب   دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی   کوئی دلچسپ مرقّع نہ دکھانا ہرگز
موجزن دل میں ہیں یہاں خون کے دریا ای چشم   دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چُرانا ہرگز
لیکے داغ آئے گا سینے پہ بہت ای سیّاح   دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
چپّے چپّے پہ ہیں یہاں گوہرِ یکتا تہِ خاک   دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز
مٹ گئے تیرے مٹانیکے نشاں بھی ابتو   اے فلک اِس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی اُنھیں بھول گئے   ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز
جسکو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں   نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز
ہمکو گر تو نے رُلایا تو رُلایا اے چرخ   ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
یار خود روئیں گے کیا انپہ جہاں روتا ہے   اِن کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
آخری دور میں بھی تجھکو قسم ہے ساقی   بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دورِ زماں   نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز
یہانسے رخصت ہو سویرے کہیں اے عیش و نشاط   نہیں اس دور میں یہاں تیرا ٹھکانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلّی
ہمکو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
شاعری مر چکی اب زندہ نہو گی یارو
یاد کر کر کے اُسے جی نہ کڑھانا ھرگز
غالب و شیفتہ و نیّر و آزردہ و ذوق
اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز
مومن و علوی و صہبائی و ممنوں کے بعد
شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ھرگز
کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
ورنہ یہاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
داغ و مجروح کو سُن لو کہ پھر اِس گلشن میں
نہ سُنیگا کوئی بُلبل کا ترانہ ھرگز
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانہ ہرگز

بزمِ ماتم تو نہیں بزمِ سخن ہے حالی
یہاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز
ہمنے دیکھے بہت نشیب و فراز
عشق کی آنچ اُس میں پاتا ہوں
دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز
شیخ! اللہ رے تیری عیّاری
کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
اک پتے کی جو ہمنے کہدی آج
رنگ واعظ کا کر گیا پرواز
ہمکو نسبت پہ فخر ہے تیری
تو گئی بھول ہم کو خاک حجاز
آج منکر بھی ناچ اُٹھیں گے
گر مغنّی کی ہے یہی آواز
قطعہ
خیر ہے اے فلک کہ چار طرف [۱]
چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز

---

[۱] یہ قطعہ اسوقت لکھا گیا تھا جبکہ ٹرکی کو سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل کے بعد سرویہ۔ مانٹینگرو اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدمہ پہنچا ۱۲

رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ۲ ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز
ہوتے جاتے ہیں زور مند ضعیف ۳ بنتے جاتے ہیں مبتذل ممتاز
چھپتے پھرتے ہیں کبک تیہو سے ۴ گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
ہے نہتوں کو رہگذر میں خطر ۵ رہزنوں نے کیئے ہیں ہاتھ دراز
ٹڈیوں کا ہے کھیتیوں پہ ہجوم ۶ بھیڑیوں کے ہیں خوں میں تر لب آز
ناتوانوں پہ گِدھ ہیں منڈلاتے ۷ گھائلوں پر ہیں ہر سُو تیر انداز
تشنۂ خوں ہیں بھوکے شیروں کے ۸ حیلہ گر روبہوں کے عشوہ و ناز
دشمنوں کے ہیں دوست خود جاسوس ۹ اور یاروں کے یار ہیں غمّاز
ہوگا انجام دیکھیے کیا کچھ ۱۰ ہے پر آشوب جبکہ یہ آغاز
لَے ابھی تک کھُلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر ۱۲ موج حائل ہے اور ہوا ناساز
یا تھپیڑے ہوا کے لے اُبھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
کام اُسے اپنے سونپ دو حالی ۱۴ نہیں جس کا شریک اور انباز
ہے وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یہاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س (۴۸)

جاذبِ رحمت ہے مقناطیسِ عصیاں اپنے پاس
رکھتے ہیں عاصی کمندِ صیدِ غُفراں اپنے پاس

عاجزوں سے مقتدر کرتے ہیں اکثر درگذر
عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضواں اپنے پاس

ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
عذر خواہ اپنا ہے خود فرمانِ سلطاں اپنے پاس

بام بتلایا بلند اور نارسا بخشی کمند
رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہاں اپنے پاس

خاک میں ہمنے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی آپ
ورنہ ہے ہر درد کا موجود درماں اپنے پاس

دست بُردِ اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
ہے بحمد اللہ وہ مُہرِ سلیماں اپنے پاس

دیکھنا **حالی** نہ دینا وضعِ فطرت کو بدل
ہے یہ دستاویزِ استخلافِ رحماں اپنے پاس ۹ ء

چھیڑ اب نہ اے تصوّرِ مژگانِ یار بس   کافی ہے خار خارِ غمِ روزگار بس
یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے   غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس
ہر داغ فصلِ گل کی نشانی ہے اے صبا   گلگشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس
ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نجائیں   اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس
دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ   یہاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس

آتا نہیں نظر کہ ہو یہ رات اب سحر   کی نیند۔ کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی سی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو مہم برسرِ ایّام ہے درپیش   بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش
غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چار طرف سے   اور معرکۂ گردشِ ایّام ہے درپیش
وہ دن گئے جب تھا مرضِ صعب کا آغاز   اب اُس مرضِ صعب کا انجام ہے درپیش
گو صبح بھی تھی روزِ مصیبت کی۔ قیامت   پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے درپیش
وہ وقت گیا۔ نشہ تھا زوروں پہ جب اپنا   اب وقتِ خمارِ مئے گلفام ہے درپیش
اُمیدِ شفا کا تو جواب آ ہی چکا ہے   اب موت کا سُننا ہمیں پیغام ہے درپیش

جی اُس کا کسی کام میں لگتا نہیں زنہار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اُسکی مختص ہیں عطائیں خاص خاص   ہر مرض کو راس ہیں جیسے دوائیں خاص خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زالِ دنیا سے۔ مگر   رہزنِ دل ہیں ابھی اُس کی ادائیں خاص خاص
گو زمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصلِ گُل   یاد ہیں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص
زہد و تقوٰی سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب   وقت ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص

یوں تو ہے اُمید سب کچھ۔ پر نہ ہوں شاید معاف
وہ جو کی ہیں ہمنے اے حالی خطائیں خاص خاص ۵۲

درد۔ اور درد کی ہے سب کے دوا۔ ایک ہی شخص
یہاں ہی جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

حور و غلماں کے لیئے لائیں دل آخر کس کا
ہونے دیتا نہیں یہاں عہدہ برآ ایک ہی شخص

قافلے گذریں وہاں کیونکہ سلامت واعظ
ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص

قیس سا پھر کوئی اُٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

جمگھٹے دیکھے ہیں جن لوگو نکے ان آنکھوں نے
آج ویسا کوئی دے ہمکو دکھا ایک ہی شخص

گھر میں برکت ہی۔ مگر فیض ہی جاری شب و روز
کچھ سہی شیخ۔ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعتراضوں کا زمانہ کے ہے حالی پہ نچوڑ
شاعر اب ساری خدائی میں ہے کیا ایک ہی شخص؟ ۵۳

ض

عشق کو ترکِ جنوں سے کیا غرض
چرخِ گرداں کو سکوں سے کیا غرض

دل میں ہے اے خضر گر صدقِ طلب
راہرو کو رہنموں سے کیا غرض

حاجیو ہے ہمکو گھر والے سے کام
گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض

گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو
اُنکو چنگ و ارغنوں سے کیا غرض

نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا
ہمکو تفتیشِ دروں سے کیا غرض

دوست ہیں جب زخمِ دل سے بے خبر
اُنکو اپنے اشکِ خوں سے کیا غرض

عشق سے ہی مجتنب زاہد عبث   شیر کو صید زبوں سے کیا غرض
کر چکا جب شیخ تسخیر قلوب   اب اُسے دُنیائے دوں سے کیا غرض

آئے ہو حالی پے تسلیم یہاں
آپ کو چون و چگوں سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض   دوستوں ہی کا کام ہے اغماض
چاہیئے ایک سب کا ہو مقصود   گو ہوں سب کی جدا جدا اغراض
یاد میں تیری سب کو بھول گئے   کھو دیئے ایک دُکھ نے سب امراض
دیکھیئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش   اَور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض
لا اُبَالِیْ بِاَنْ یُعَاتِبَنِیْ   کُلُّ نَاسٍ وَ انتَ عَنِّیْ رَاضٍ
مُنعِمو بذل خیر میں یہ دیر   اپنا مطلب اور اُس پہ سو اغماض
حق میں اپنوں کے سخت مُمسک ہیں   جو کہ اوروں کے حق میں ہیں فیاض
رای ہے کچھ علیل سی تیری   نبض اپنی بھی دیکھ اے نبّاض
وعظ میں گل کترتے ہیں واعظ   مُونہ میں اُن کے زباں ہے یا مقراض
ہے فقیہوں میں اور ہم میں نزاع   هَلْ لَنَا فِیْ نِزَاعِنَا مِنْ قَاضٍ
ہے ریاضت پہ ناز کیا زاھد   خار کش تجھ سے ہے سو امرتاض
شیخ کی تھی یہ آخری تلقیں   چاہیئے زر تو اُس سے کر اعراض
ایسی غزلیں سُنی نہ تھیں حالی   یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گذری ہو چکا دورِ نشاط
طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
دل سے خوشیاں ہو گئیں سب گوشہ گیر
نام تھا شاید جوانی کا نشاط
دن اب ایدل منقبض رہنے کے ہیں
ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط
غنچہ چٹکا اور آ پہنچی خزاں
فصل گل کی تھی فقط اتنی بساط
زینۂ منبر ہے لغزش کی جگہ
جانیو واعظ اسے راہِ صراط
تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ
ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط
کوچ کی حالیؔ کرو تیاریاں
ہے قُوے میں دمبدم اب انحطاط

۵۶

ظ

چھپے ہیں حریفوں میں احرار- واعظ
بُرا کہہ نہ رندوں کو زنہار- واعظ
سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر
نہ ستار ہے تو نہ غفّار واعظ
نکل آئے گی مے کشی کی بھی حِلّت
کوئی مل گیا گر ہمیں یار واعظ
کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن
سُنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار واعظ
ہمیں اَور بھی تجھ سے کرتے ہیں بدظن
یہ جُبّہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
نچھوڑے گا زیور گھروں میں نہ زر تو
یہی ہے اگر حُسن گفتار واعظ
مُسلماں نہ ہم کاش حالیؔ کو کہتے
ہوئے بات کہکر گنہگار واعظ ۵۷

ع

اے بہارِ زندگانی الوداع   اے شباب اے شادمانی الوداع
اے بیاضِ صبحِ پیری السّلام   اے شبِ قدرِ جوانی الوداع
السلام اے قاصدِ ملکِ بقا   الوداع اے عمرِ فانی الوداع
روزگارِ ضعف و سستی الصّلا   وقت سعی و جانفشانی الوداع
قطعہ
فرصتِ عشق و جوانی الفراق ۱   دورِ عیش و کامرانی الوداع
تجھکو سمجھے تھے نعیمِ جاوداں ۲   اے نعیمِ جاودانی الوداع
تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں ۳   اے خدا کی مہربانی الوداع
آلگا حالی کنارے پر جہاز   الوداع اے زندگانی الوداع

غ

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ   دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ
ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں   حملے سے یہاں اجل کے نہیں ایکدم فراغ
یارب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو   بلبل بہت ہی دیکھکے پھولوں کو باغ باغ
دو چار گام نقشِ قدم مل کے رہ گئے   آگے چلا نہ آہوئے مشکیں کا کچھ سراغ
آئیں پئیں وہ شوق سے جو اہلِ ظرف ہوں   ساقی بھرے کھڑا ہے مئے لعل سے ایاغ
جنگل میں تختۂ گلِ خودرو کو دیکھکر   تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ
حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر میں   باری تب انکی آئی کہ گل ہوگئے چراغ

ف

حق نہ مُلّا نے کچھ بتایا صاف
اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف

آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کُھلی
مہر روشن نظر نہ آیا صاف

کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم
صاف تھے آپ سبکو پایا صاف

زاہدو ہم تو تھے ہی آلودہ
تمکو بھی ہمنے کچھ نہ پایا صاف

کیوں فقیہوں سے رُک گئے حالی
بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لایق
نہ اپنا کلبۂ احزاں ہے یار کے لایق

کرے گا کیا تیرا کحل الجواہر اے کُحّال
نہیں یہ آنکھ ہی دیدارِ یار کے لایق

مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ
بہت ہے زندگیِ مُستعار کے لایق

غرور و حرص ہیں زیور عروسِ دُنیا کے
بناؤ تھے یہی اِس نابکار کے لایق

کرے گی بادِ بہار آکے اب کسے سرسبز
رہا نہ باغ قدومِ بہار کے لایق

بس اب ہی فُضلۂ روباہ و گرگ پر گذران
رہا نہ شیرِ ژیاں خود شکار کے لایق

گنہ کا عذر کریں محتسب ہم آنکھوں سے
ہمارے جرم ہوں گر اعتذار کے لایق

گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی
تمہیں تو شہر میں ہو اعتبار کے لایق

یہ ہمنے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہیں کچھ کچھ
مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لایق

ک

دلوں کا کھوٹ اگر کہیئے برملا ایک ایک   تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
سلامتی کو وہاں قافلوں کی رو بیٹھیں   جہاں ہو راہزنِ خلق رہنما ایک ایک
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر   بنا ہے خوشۂ زماں آجکل گدا ایک ایک
رہا ہوں رند بھی اے شیخ پارسا بھی میں   مری نگاہ میں ہیں رند و پارسا ایک ایک
وفا کی ایک تجھی سے اُمید ہی اُسوقت   کہ یار یار سے ہو جائیگا جدا ایک ایک
چھپا کے اُس سے قصور اپنے ہم بہت شرمائے   جب آپ مونہ سے لگی بولنے خطا ایک ایک
ہوا نہ ایک بھی حق اُسکی بندگی کا ادا   کیا ہے جسنے حق خواجگی ادا ایک ایک
امیرِ حاج کی ہمت میں گر نہ آئے قصور   تو موجِ بحر ہے کشتی کی ناخدا ایک ایک
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو   ورق جب اُسکا اڑا لیگئی ہوا ایک ایک
بہار نے بھی نہ بلبل تری بجھائی آگ   جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا ایک ایک
وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہے اب نہ وہ ہم   یہ دل پہ نقش ہے اب تک تری ادا ایک ایک
نہ ہم رہینگے نہ حالی یہ دلخراش جہاں   رہیگی حالیِ دلگیر کی صدا ایک ایک ۱۱

گ

عالمِ آزادگاں ہے اک جہاں سب سے الگ   ہے زمین اُنکی اور اُنکا آسماں سب سے الگ
پاک ہیں آلائشوں میں بنا شونمیں بے لگاؤ   رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ

دوست کے ہیں جاں نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو   ہے عشیرہ اور اُنکا دودماں سب سے الگ
سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں   ہے کوئی بھیدی اور اُنکا رازداں سب سے الگ
جانچتے اوروں کو ہیں خود لے کے اپنا امتحاں   رکھتے ہیں اپنا طریقِ امتحاں سب سے الگ
اک چمن بھر تفرّج رکھتے ہیں زیرِ بغل   روضۂ و بُستان و فردوس و جناں سب سے الگ
کلبۂ احزاں ہے روشن اُن کا جس مہتاب سے   ہے وہ نورِ مہر و ماہ و کہکشاں سب سے الگ
سیکڑوں پھندوں میں یہاں جکڑا ہوا ہے بند بند   پر ٹٹولے کوئی دل اُنکا تو وہاں سب سے الگ
شاعروں کے ہیں سب اندازِ سخن دیکھے ہوئے   دردمندوں کا ہے دُکھڑا اور بیاں سب سے الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے **حالی** نے دُکاں سب سے الگ

صلح ہے اک مُہلتِ سامانِ جنگ   کرتے ہیں بھرنے کو یہاں خالی تفنگ
عہدِ گیتی پر نہ پھولیں کامراں   آخر اسکی آشتی لائے گی رنگ
علم کیا۔ اخلاق کیا۔ ہتھیار کیا   سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ
روکیے بدخو کو بدخوئی سے کیوں   آپ اپنی خو سے آجائے گا تنگ
زہد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ   یہ بھی ہے اک نوجوانی کی ترنگ
پاکبازوں کو نہیں کچھ قیدِ وضع   جو ہیں اچھّے اُن پہ سب کھُلتے ہیں رنگ
کام کا شاید زمانہ ہو چُکا   دل میں اب اُٹھتی نہیں کوئی اُمنگ
وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل   دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھے دنگ

کاہشوں نے پرورش پائی ہے روح　　اب لگا کھایا پیا سب آکے انگ
عقل شاید ملک میں باقی ہے کچھ　　ہیں ابھی کم حاصلِ افیون و بنگ
بڑھ گیا ہے رحمِ انسانی بہت　　ہو گئی ایجاد اب نئی توپ اور تفنگ
قوم کو حالی نہیں راس اتفاق　　پھوٹ ہی کا بس کھلیگا ہمپہ رنگ

ل

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل　　یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل
رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف　　اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل
اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں　　ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل
کب تک آخر ٹھیر سکتا ہے وہ گھر　　آگیا بنیاد میں جس کی خلل
ناؤ ڈوبے یا کہیں کھیوا ہو پار　　تیری حد بھی ہے کچھ اے طولِ امل
اب لگاؤ پود کچھ اپنی نئی　　لا چکے پودے بہت اگلوں کے پھل
دیکھئے نبھتا ہے کب تک پاسِ وضع　　ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل
کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں　　وقت کوشش کا گیا شاید نکل
اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر　　ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل [illegible]

م

مدرسہ میں دہر کے رو بقفا بیٹھے تھے ہم　　اُٹھے بس ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم

پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہ ہیں کافر کے لوٹ   زالِ دنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم
صحبتیں اہلِ وَرَع کی سب گئیں نظروں سے گر   بزمِ رنداں میں یونہیں اک روز جا بیٹھے تھے ہم
شیخ دنیا کی حقیقت رہ کے دُنیا میں کھُلی   ورنہ دھوکا۔ دور سے دیکھ اُسکو کھا بیٹھے تھے ہم
ہم نہ تھے آگاہ واعظ زشت خوئی سے تری   آدمی تجھکو سمجھکر پاس آ بیٹھے تھے ہم
سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر   ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اُٹھا بیٹھے تھے ہم

ہمسے خود دنیا ہی پَٹ پائی نہ **حالی** ورنہ یہاں
دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم ٦٦

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم   پر ہر اِک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم
خوف کا کوئی نشاں ظاہر نہیں افعال میں   گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم
کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں   پر گُنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم
دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز   گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
دل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر   پر اُسے آلودۂ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم
ہوکے نادم جرم سے پھر جُرم کرتے ہیں وہی   جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم
ہیں فدا اُن دوستوں پر جنمیں ہو صدق و صفا   پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم
گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا   اِک جہاں سے آپکو لیکن خفا پاتے ہیں ہم
جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا   اپنے میں گر شمّۂ مہر و وفا پاتے ہیں ہم
بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا   گر کبھی توفیقِ ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر   درد خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم
ٹھیرتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بھلے   حالِ نفسِ دوں کا اُتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم
جسقدر جُھک جُھک کے مِلتے ہیں بزرگ و خرد سے   کبر و ناز اُتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم
گو بھلائی کر کے ہمجنسوں سے خوش ہوتا ہے جی   تہ نشیں اُس میں مگر دُردِ ریا پاتے ہیں ہم
ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے مگر   داغ رسوائی کے کچھ زیرِ ردا پاتے ہیں ہم
راہ کے طالب ہیں پر بیراہ پڑتے ہیں قدم   دیکھئے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم

نور کے ہمنے گلے دیکھے ہیں اے حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم ۶۷

(ق) آگے بڑھے نہ قصۂ عشقِ بتاں سے ہم   سب کچھ کہا مگر نہ کھُلے رازداں سے ہم
اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم   کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم
خود رفتگیِ شب کا مزا بھولتا نہیں   آئے ہیں آج آپ میں یا رب کہاں سے ہم
دردِ فراق و رشکِ عدو تک گراں نہیں   تنگ آگئے ہیں اپنے دلِ شادماں سے ہم
جنّت میں تو نہیں اگر اے زخمِ تیغِ عشق   بدلینگے تجھکو زندگیِ جاوداں سے ہم
لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر   آئے ہیں آج چھوٹ کے قیدِ گراں سے ہم
ہنستے ہیں اُس کے گریۂ بے اختیار پر   بھولے ہیں بات کہکے کوئی رازداں سے ہم
اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو   کچھ پا گئے ہیں آپکی طرزِ بیاں سے ہم
دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ میں   ملتے ہیں جا کے دیکھیے کب کارواں سے ہم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے
پوچھینگے جا کے حالیِ جادو بیاں سے ہم ۶۸

ن

یاروں کو تجھ سے حالی اب سرگرانیاں ہیں
نیندیں اُچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
یاد اُسکی دل سے دھو دے اے چشم تر تو مانوں
اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیاں ہیں
بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
الفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں
غَیبت ہو یا حضوری دونو بُری ہیں تیری
جب بدگمانیاں تھیں اب بدزبانیاں ہیں
کہتے ہیں جسکو جنّت وہ اک جھلک ہے تیری
سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں
رحمت تری غذا ہے غصّہ ترا دوا ہے
شانیں ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں
ہو گا تو پہلے ہو گا اے چرخ مہرباں تو
کچھ اِن دنوں تو ہم پر نامہربانیاں ہیں
اپنی نظر میں بھی یہاں اب تو حقیر ہیں ہم
بے غیرتی کی یارو اب زندگانیاں ہیں
روتے ہیں چار ہم پر ہنستے ہیں چار ہم پر
یہاں تک ہماری پُہنچی اب ناتوانیاں ہیں
ہر حکم پر ہوں رضی ہر حال میں ہیں خوش
حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
خاور سے باختر تک جنکے نشاں تھے برپا
کچھ مقبروں میں باقی اُنکی نشانیاں ہیں
دیکھا نہیں ابھی کچھ قحط الرجال تم نے
اس سے بھی سخت آتی آگے گرانیاں ہیں
کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں
فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
یہ خوں فشانیاں ہیں یا گل فشانیاں ہیں

جب سے سُنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
اب نہ سُنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوتے کان ہمیں

کچھ روز دن غفلت میں پھرے یہاں ڈھونڈتے ہم آسائش کو
کھُل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلجان ہمیں

چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دیئے ہوش حریفوں کے
زَد سے بچیں یا مات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہمیں

پاس اُنھیں گر اپنا ذرا ہو جاں اپنی بھی اُن پہ فدا ہو
کرتے ہیں خود نامنصفیاں اور کہتے ہیں نافرمان ہمیں

دادطلب سب غیر ہوں جب تو اُن میں کسیکا پاس نہو
تبلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان ہمیں

صحرا میں کچھ بکریوں کو قصّاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اُسکو سارے تمہارے آگئے یاد احسان ہمیں

یہاں تو بدولت زہد و وَرَع کے نبھ گئی خاصی عزت سے
بن نہ پڑا پر کل کے لیئے جو کرنا تھا سامان ہمیں

سُر تھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی

غل تو بہت یاروں نے مچایا پر گئے اکثر مان ہمیں

غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں

بس کوئی دن کا اب حالی یہاں سمجھو تم مہمان ہمیں

کی تو ہیں ہمنے بھی حالی کوچ کی تیاریاں   سوجھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں
خواب راحت میں وہ لذت تیرے ای پیری نہیں   جو جوانی میں مزا دیتی تھیں شب بیداریاں
ہیں اگر بیدردیاں اپنوں کی دل کو ناگوار   ناگوار اُنسے سوا غیروں کی ہیں غمخواریاں
ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی   سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی باریاں
زیست بے عقلوں کو ہو جائے بسر کرنی مُحال   اتنی بھی اے عاقلو اچھّی نہیں ہشیاریاں
بے مزہ ہی اہلِ دیں کی ترشروئی بھی مگر   اُس سے پھیکی اہلِ دنیا کی ہیں ظاہرداریاں

گو طبیعت سے گئے سب مادّے فاسد نکل

کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی بیماریاں ۷

رازِ دل کی سرِ بازار خبر کرتے ہیں   آج ہم شہر میں خون اپنا هدر کرتے ہیں
عقل کی بات کوئی ہمنے کہی ہے شاید   جتنّی جتنے ہیں سب ہمسے حذر کرتے ہیں
جُرم خالق سے سوا پاتے ہیں جُرمِ فقہا   جب کہ ہم اپنے جرائم پہ نظر کرتے ہیں
کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ!   بول قوّال کے جو دل میں اثر کرتے ہیں
زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب سے زاہد   یاد اللہ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
عیب یہ ہے کہ کرو عیب۔ ہنر دکھلاؤ   ورنہ یہاں عیب تو سب فردِ بشر کرتے ہیں

غمزدو رنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ
دل دُکھاتے ہیں وہی جنہیں کہ گھر کرتے ہیں

جی رُکاوٹ سے جو اُن کی کبھی رُک جاتا ہے
اک لگاوٹ میں ادھر سے وہ اُدھر کرتے ہیں

ایک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یارب
یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

تلخیاں زیست کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی
یہ مہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں

قیصر و زار کا یہاں پیٹ تو بھرنا معلوم
بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ **حالی**
آپ اکثر رمضاں ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
رخنے نکلینگے سیکڑوں اسمیں

کی نصیحت بُری طرح ناصح
اور اک بِس ملا دیا رِس میں

ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے
چشم انسان و چشمِ نرگس میں

بے قدم دم ہیں خانقاہوں میں
بے عمل علم ہیں مدارس میں

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا کیا ہے اُنمیں اور اسمیں

نہو قبضے میں جب عنانِ فرس
ہیچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں

جس سے نفرت ہے اہل نعمت کو
وہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں

ہو فرشتہ بھی تو نہیں انساں
درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

جانور۔ آدمی۔ فرشتہ۔ خدا
آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں

آج کل چرخ صلح جو ہے بہت
دیکھئے ہو بگاڑ کِس کِس میں

کی ہے خلوت پسند حالی نے
اب نہ دیکھو گے اُسکو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں   ہیں مئے ناب کے دلّال۔ قدح خوار نہیں
شہر میں اُنکے نہیں جنسِ وفا کی بِکری   بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہیں
کونسے وہ گلِ رعنا پہ نوا سنج نہیں   کونسی نرگسِ شہلا کے وہ بیمار نہیں
کبھی لیلیٰ پہ ہیں مفتوں کبھی شیریں پہ فدا   اور جو پھر دیکھو تو دونو سے سروکار نہیں
اُٹھ نہیں سکتی سزا جرمِ وفا کی اُن سے   دل پھنسا کر کہیں بنتے وہ گنہگار نہیں
عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ   اور جو ہو کیسل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہیں
نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو   دربدر جھانکتے پھرنے سے اُنھیں عار نہیں
بوالہوس کام طلب بندۂ نفس اہل ہوئے   ایک عالم ہے اِسی رنگ میں دوچار نہیں
دعویٔ عشق و محبت پہ نہ جانا اُنکے   اُن میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

کہے حالی بھی اگر عاشقِ صادق ہوں میں
کہدو واللہ کہ صادق نہیں۔ زنہار نہیں

پھونکا ہے فصلِ گل نے صور آکے پھر چمن میں   اِک حشر سا ہے برپا مُرغانِ نغمہ زن میں
بلبل کے آگ سی کچھ تن من میں لگ رہی ہے   بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن میں
بادِ صبا گئی پھُونک کیا جانے کان میں کیا   پھُولے نہیں سماتے غنچے جو پیرہن میں
چُپ ہے زبان سوسن حیراں ہے چشمِ نرگس   قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و نسترن میں

ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
پٹنی ہے جان باقی بس سرو و ناروں میں

ہے عیدِ اہلِ اسلام یا موسمِ بہاراں
جنگل بسا ہوا ہے سب عطرِ یاسمن میں

مونہ سے دھواں سا اُٹھا لیتے ہی نام اسلام
بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں

پھر زخم پھوٹ نکلا۔ **حالی** نہ چھیڑنا تھا
فصلِ خزاں کا قصّہ ذکرِ گل و سمن میں

گو رو چکے ہیں دکھڑا سو بار قوم کا ہم
پر تازگی وہی ہے اس قصّۂ کہن میں

وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمن تھی
تمنے سُنا بھی ؟ اُسپر کیا گذری انجمن میں

پائینِ بزم بھی اب ملتی نہیں اُسے جا
روندن میں ہے وہ گلبن پھولا تھا جو چمن میں

رُوبَہ کی جون میں ہے مرعوب اب وہ ملّت
تھی سہمناک کل تک جو شیر کے بَرَن میں

وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستند یمن[8] کی
ہے اب بجائے حکمت خاک اُڑ رہی یمن میں

وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عَدَن کے
ہے کال موتیوں کا اب سر بسر عَدَن میں

قبرِ **اُوَیس** پر ہے بس فخر اب **قَرَن** کو
زندہ **اُوَیس** کوئی باقی نہیں **قَرَن** میں

اس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اُڑا دی
فصلِ بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں

ڈالی نہ ہوگی آگے اے دورِ چرخ شاید
جو اَبکے تو نے ہلچل ڈالی ہے انجمن میں

فوج اور بھیر دونو پھرتی ہیں بے سری سی
گویا امیرِ لشکر مارا گیا ہے رَن میں

خُرد و بزرگ سارے ہیں بدحواس۔ گویا
لُٹنے کی قافلہ کے پہنچی خبر وطن میں

---

[8] یمن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ الایمان یمانٍ والحکمۃ یمانیۃ" یعنی ایمان ہے تو یمن کا ہے اور حکمت ہے تو یمن کی ہے" اسی بنا پر میر باقرِ داماد نے اپنے فلسفہ کا نام حکمتِ یمانیہ رکھا ہے ۱۲

بھولی ہوئی ہیں ڈاریں ہرنوں کی چوکڑی سب   جائیں کدھر کہ ہر سو دَوں لگ رہی ہے بن میں
حالی بس اب نہیں یہاں سُننے کی تاب باقی   مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوکِ زباں نے تیری سینوں کو چھید ڈالا
ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہے زباں دہن میں ۷۵

ق ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں   اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
ہیں دورِ جامِ اوّلِ شب میں خودی سے دُور   ہوتی ہے آج دیکھیے ہمکو سحر کہاں
یارب اِس اختلاط کا انجام ہو بخیر   تھا اُسکو ہم سے ربط مگر اسقدر کہاں
اک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق   رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں
بس ہو چکا بیاں کسل و رنجِ راہ کا   خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں
کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر   اِس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اَور   عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی   دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ و مَے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں ۷۶

ق پیا ہے ہمنے نہ جامِ بے کدورت بزمِ دوراں میں   خزاں کو لیگئے ہمراہ اگر پہنچے گلستاں میں
نہیں کچھ منحصر دلبستگی زلفِ پریشاں میں   جو دل چاہے تو اُلجھے اک غبارِ دودِ پیچاں میں
اگر چھوڑا کمندِ جذبۂ عشقِ زلیخا نے   نہ رہنے دیگا حُسنِ خودنما یوسف کو کنعاں میں

تصور نے بھلایا تیرے ذوقِ شادی و غم کو   نہ کچھ کلفت ہی زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں
خوشی میں بھی نہیں رہتا خوش آتا ایک حالت پر   کہاں تک جی نہ گھبرائے الٰہی دردِ ہجراں میں
زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز   نہ پوچھو ہمسے کیا دیکھا ہے ہمنے بزمِ رنداں میں
فلک سے جیتے جی معلوم ملنا کامِ دل اے خضر   سوائے طولِ حسرت کیا دھرا ہے آبِ حیواں میں
نہ چھوڑیگی محبت یار سے ناکام عاشق کو   نسیمِ مصر کو آنا ہے اک دن بیتِ احزاں میں
گل و نسریں تو کیا فرقت میں جی تک چھوٹ جاتا ہے   ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیرِ گلستاں میں
بہت دن چاہییں یوسف کو تا پہنچے زلیخا تک   نکلکر چاہِ کنعاں سے ابھی رہنا ہے زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرصتِ سیرِ جہاں اک دم
رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیاباں میں ۷۷

اب وہ اگلا سا التفات نہیں   جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں ق
مجھکو تمسے پر اعتمادِ وفا   تمکو مجھسے پر التفات نہیں
رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ   زندگی موت ہے حیات نہیں
یوں نہیں گذرے تو سہل ہے لیکن   فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں
کوئی دل سوز ہو تو کیجے بیاں   سرسری دل کی واردات نہیں
ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید   جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسیکی ذات نہیں ۷۸

(ق) کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غمِ ہجراں میں نہیں چاک دل میں ہے مرے جو کہ گریباں میں نہیں
کھو دیا یاس نے ذوقِ خلشِ فکرِ وصال اک مزا تھا سو وہ اب کاوشِ پنہاں میں نہیں
دیکھنے کی سیرِ چمن غور سے اے بلبلِ زار بات چھپتی ہوئی کوئی گل و ریحاں میں نہیں
عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا فتنۂ دہر ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں
محتسب! صدق و صفا یہاں ہے انھیں کے دم تک مصلحت برہمیِ صحبتِ رنداں میں نہیں
یہاں بھی ہے کون و مکاں سے دلِ وحشی آزاد جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں
ٹھیرتے ٹھیرتے دل یوں ہی ٹھیر جائے گا بات جو آج ہے وہ کل غمِ ہجراں میں نہیں
کس طرح اُسکی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھوں خط میں لکھا ہے وہ القاب جو عنواں میں نہیں
دی ہے واعظ نے کن آداب کی تکلیف نہ پوچھ ایسے اُلجھاؤ ترے کاکلِ پیچاں میں نہیں
آدمی ہو تو کبھی پاسِ محبت کے نہ جائے اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں
بے قراری تھی سب اُمیدِ ملاقات کے ساتھ اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

حالیِ زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز
یہ تو آثار کچھ اُس مردِ مسلماں میں نہیں ۷۹

(ق) غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں شادیِ وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں
خوبروئی کے لیئے زشتیِ خو بھی ہے ضرور سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھسا طرحدار نہیں
قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار ہمکو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں
کل خرابات میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں

حق ہوا کس سے ادا اُس کی وفاداری کا   جسکے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کونسی راہ   کعبہ و دَیر سے کچھ ہمکو سروکار نہیں

ہوں گے قائل وہ ابھی مطلعِ ثانی سُنکر
جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں ٠٠

ق میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں   اک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
کچھ پتا منزلِ مقصود کا پایا ہم نے   جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
چشم بد دور بہت پھرتے ہیں اغیار کے ساتھ   غیرتِ عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں
ہو چکا ناز اُٹھانے میں ہے گو کام تمام   لِلّٰہ الحمد کہ باہم کوئی تکرار نہیں
مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا   دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں
اصلِ مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا   ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی **حالی**
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں ۸۱

وحشت میں تھا خیالِ گل و یاسمن کہاں   لائی ہے بوے اُنس نسیمِ چمن کہاں
ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوقِ دید بھی   جائے گا دَیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں
اہلِ طریق جسکو سمجھتے ہیں زادِ راہ   وھاں دخل دست بُرد کو اے راہزن کہاں
فصلِ خزاں کمیں میں ہے صیّاد گھات میں   مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں
لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرفِ آشنا   لیجائے ہمکو دیکھئے ذوقِ سخن کہاں

جی ڈھونڈتا ہے بزمِ طرب میں اُنھیں مگر   وہ آئے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں
دل ہو گیا ہے لذّتِ غربت سے آشنا   اب ہم کہاں ہو لئے نشاطِ وطن کہاں
کہتا ہے خیر ہم بھی ہیں دشمن آپ کے   شکوے کو لے گیا ہے وہ بیداد فن کہاں

روکا بہت کل آپ کو حالی نے وھاں مگر
جاتا ہے محوِ شوق کا دیوانہ پن کہاں ۸۲

(ق) کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں   مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح   لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں   دھرا کیا ہے اشاراتِ نہاں میں
کہیں انجام آ پہنچا وفا کا   گھلا جاتا ہوں اب کے امتحاں میں
نیا ہے لیجئے جب نام اُس کا   بہت وسعت ہے میری داستاں میں
دلِ پر درد سے کچھ کام لوں گا   اگر فرصت ملی مجھکو جہاں میں
بہت جی خوش ہوا حالی سے ملکر   ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں ۸۳

و

(ق) مرے دلمیں ہو۔ گو مجھ سے نہاں ہو   مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو
نہ چھیڑوں تذکرہ وصلِ عدو کا   اگر سمعِ مبارک پر گراں ہو
تقاضائے محبت ہے۔ وگرنہ   مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو

بہت بیقدر ہوں محفل میں تیری
کہیں ناخوانده تو بھی میہماں ہو

مجھے ڈالا ہے سو وہم وگماں میں
بہت کیوں آج مجھپر مہرباں ہو

کمر خوں پر ہمارے باندھ رکھے
جسے سُننی ہماری داستاں ہو

مؤثر ہے بہت **حالی** ترا وعظ
کل اُس کے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیرِ مغاں کا کہ جوانی نہ گنواؤ
خیر کفارۂ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ

دل کو کس طرح سمجھیے کہ وہی ہے یہ دل
وہ امیدیں ہیں نہ ارماں وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ

یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر
تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ

دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسیکا نہیں دوست
سچ بتا تجھکو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ

تو وہی برقِ جہاں سوز ہے بن خواہ نہ بن
ہے برابر ترا بے ساختہ پن اور بناؤ

ایک ہی دوست اور اُس سے ہمیں چھڑواتے ہو
ناصحو اب تمھیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ

ہو گیا ذکر قیامت تو اجیرن واعظ
باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ

تجھکو اے ابر بلا دیکھکے جی چھوٹ گیا
ایک ہی بار تم اے بادلو اسطرح نہ چھاؤ

پہنچ اے خضر کہ ہے وقت مددگاری کا
ڈگمگاتی ہے بہت دیر سے منجدھار میں ناؤ

دیکھیں کسطرح نہ سرسبز ہو پھر کشتِ امید
آؤ اور ندیاں آج آنسوؤں کی مِلکے بہاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک
آج کل کیجئے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ

قافلے ساتھ کے جا پہنچے حرم کے لگ بھگ
وقت اب ہاتھ سے جاتا ہی جو آتے ہو تو آؤ

اُسکے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف   ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

ھ

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ   فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ
ہر اک کو نہیں ملتی یہاں بھیک زاہد   بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ
کچھ اور آؤ بن کر تم اے میر و مرزا   نہیں پوچھتے یہاں حسب اور نسب کچھ
یہ طبلِ تہی ہیں جو ہنکارتے ہیں   جنھیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ
دیا تو نے یہاں جس بہانے سے چاہا   ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
ہے افسردہ مجلس کی خشت سے واعظ   وہ گرمائیگا یہ پسیجینگے جب کچھ
تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب   نہیں ناصحو تم پہ الزام اب کچھ
یہ سہمے میر مجلس کہ چینی کی مورت   ٹٹولو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمہ چرب تاکا ہے شاید
یہ حالی کی عزلت نہیں بے سبب کچھ ۸۶

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ   مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
تکلف علامت ہے بیگانگی کی   نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت   جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے   نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
کرو علم سے اکتساب شرافت   نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ

فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو   اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے   نہیں لگتی کچھ اسمیں دولت زیادہ
مصیبت کا ایک اک سے احوال کہنا   مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا   مبادا کہ ثابت ہو خسّت زیادہ
پھر اوروں کی تکتے پھروگے سخاوت   بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
کہیں دوست تمسے نہ ہو جائیں بدظن   جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا   نہ رکھو امیروں سے ملّت زیادہ
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا   جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے   خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
ہے اُلفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم   پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا   مگر اسمیں پڑتی ہے محنت زیادہ
بکے مفت یہاں ہم زمانہ کے ہاتھوں   پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر   نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی
الاپیں نہ بس آپ دُھرپت زیادہ ۸۷

حقیقت محرمِ اسرار سے پوچھ   مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ
وفا اغیار کی اغیار سے سُن   مری الفت در و دیوار سے پوچھ

ہماری آہِ بے تاثیر کا حال   کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
دلوں میں ڈالنا ذوقِ اسیری   کمندِ گیسوئے خمدار سے پوچھ
دلِ مہجور سے سُن لذّتِ وصل   نشاطِ عافیت بیمار سے پوچھ
نہیں جز گریۂ غم حاصلِ عشق   ہماری چشم دریابار سے پوچھ
نہیں آبِ بقا جز جلوۂ دوست   کسی لب تشنۂ دیدار سے پوچھ
فریبِ وعدۂ دلدار کی قدر   شہیدِ خنجرِ انکار سے پوچھ
فغانِ شوق کو مانع نہیں وصل   یہ نکتہ عندلیبِ زار سے پوچھ
تصوّر میں کیا کرتے ہیں جو ہم   وہ تصویرِ خیالِ یار سے پوچھ
متاعِ بے بہا ہے شعرِ حالی   مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے اُنکی دوستی پر ہمکو تو بدگمانی   وہ ہمکو دوست سمجھیں یہ اُنکی مہربانی
بے جُرم کوئی آخر کب تک سُنے ملامت   ناصح سے ہمکو اپنی کہنی پڑی کہانی
عاشق کے دلکو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے   دیتا نہیں وہ لذّت پیاسے کو سرد پانی
امیدِ وصل سے ہے کچھ جی چُھڑائے دیتا   جو کچھ سُنا ہے ہمنے مشّاطہ کی زُبانی
ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش   کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
صبر و سکوں سے ہمکو یہ بھی نبیڑنے دے   تھوڑی سی رہ گئی ہے اے کاہشِ نہانی

پھر یہ بنائے ہستی ہے تیرے بعد ویراں
ہے تو بھی اب غنیمت اے حضرتِ ناتوانی
دیکھا جمالِ جاناں آنکھوں نے اور نہ دل نے
کیا جانئے کس ادا سے کی اُس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیاں سے عہدہ بر نہ ہو گے حالی
چلتا نہیں کسی کا یہاں لافِ نکتہ رانی

کہہ دو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے
گر مے نہیں دے زہر ہی کا جام بلا سے
جو کچھ ہے سو ہے اس کے تغافل کی شکایت
قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے
دلّالہ نے امید دلائی تو ہے لیکن
دیتے نہیں کچھ دل کو تسلّی یہ دلاسے
ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہِ خوباں
یہاں ہیں۔ تو فقط تیری محبت کے ہیں پیاسے
پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو راہِ طلب میں
ہونٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آبِ بقا سے
در گذرے دوا سے تو بھروسے پہ دعا کے
در گذریں دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے
اک درد ہو بس آٹھ پہر دل میں کہ جس کو
تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دعا سے
حالی دلِ انساں میں ہے گم دولتِ کونین
شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان و عطا سے

جب وقت پڑے دیجئے دستک درِ دل پر
جھکئے فقرا سے نہ جھجکئے اُمَرا سے ۱۵

بلبل و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے
فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
مَرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے
دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیتِ حَزَن کس کا ہے

مطمئن اس سے مسلماں نہ مسیحی نہ یہود
دوست کیا جانیئے یہ چرخِ کہن کسکا ہے

واعظ اک عیب سے تو پاک ہی یا ذات خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کسکا ہے

آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
عزمِ تسخیر پھر اے شیخ زمن کسکا ہے

آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہلِ نظر کی تم پر
تم میں رُوپ اے گل و نسرین و سمن کسکا ہے

عشق اُدھر عقل ادھر دُھن میں چلے ہیں تم ہی
رستہ اب دیکھیئے دونوں میں کٹھن کسکا ہے

شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن میں اُس کی
ولولہ تجھمیں یہ اے مُرغ چمن کسکا ہے

ہیں فصاحت میں مَثَل واعظ و **حالی** دونو
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے ۹۱

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

سپاہ و میرِ سپہ باغ باغ ہیں لیکن
بہیر رلتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب
کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

قلق اُنھیں نہیں گر دوستوں سے چھُٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

بہت سے کھو دیئے خلجان بینوائی نے
ضرورت ایک کے بعد ایک ٹلتی جاتی ہے

ہوئے ہیں بارِ امانت سے تیرے سب عاجز
زمیں بھی اپنے خزانے اُگلتی جاتی ہے

اُڑے گی خاک تقدس کی اب سرِ بازار
فقیہ و شیخ میں جوتی اُچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہی کچھ **حالی**
کچھ اک جھجک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بُری اور بھلی سب گذر جائیگی   یہ کشتی یونہیں پار اُتر جائے گی
ملیگا نہ گلچیں کو گُل کا پتا   ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی
رہیں گے نہ ملاّح یہ دن سدا   کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی
اِدھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر   یہ بازی تو سو بسوے ہار جائے گی
بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ!   یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی
نہ پوری ہوئی ہیں اُمیدیں نہ ہوں   یونہیں عُمر ساری گذر جائے گی

سُنینگے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی ۱۳

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راستِ اخلاقی   کہ اُنکے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی
نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن   حذر اُس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں   یہ گلچینی ہے یا لُٹّس ہے گلچیں یا ہے قزّاقی
کمال کفش دوزی علمِ افلاطوں سے بہتر ہے   یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مشائی نہ اشراقی
رہی دانائی آخر غالب آ کر پہلوانی پر   گئے جی ہار سب چینی و فرغانی و قبچاقی
ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہیں ورنہ   لُنڈھائے خُم پہ خُم غیروں پہ کیوں ممسک ہے گر ساقی

علاج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی ۹۴

اہلِ معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی   بزم میں اہلِ نظر بھی ہیں تماشائی بھی

اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تمیز — اسمیں شہری بھی ہیں کوہی بھی ہیں صحرائی بھی
آنکھ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک مندی — اسمیں مسلم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
جو چھپاتے ہیں حق اندیشۂ رسوائی سے — گھات میں اُن کی لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی
دوست گر بھائی نہو دوست ہے تو بھی لیکن — بھائی گر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
اے غمِ دوست تجھی پر نہیں اپنی گذراں — کچھ فتوحؔ اسکے سوا اور ہے بالائی بھی
دل غنی رکھتے ہیں اے دولتِ دنیا جو لوگ — تیور اُن کے کبھی تو دیکھ کے شرمائی بھی؟
عقل ہے۔ اپنی حماقت کے چھپانے کی انھیں — جنمیں کچھ ساتھ حماقت کے ہی خودرائی بھی
عقل اور حُسن پہ جنکے بھری مجلس ہو گواہ — اُنکو خودرائی بھی پھبتی ہی خودآرائی بھی
ملنے دے گی نہ اجل تمسے ہمیں جی بھر کر — فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم۔ پہ رہے مُردوں سے بدتر حالی
دیکھ لی ہمنے طبیبوں کی مسیحائی بھی ۹۵

رہا کھلکے زاہد کا زھدِ ریائی — بنائی بہت بات پر بن نہ آئی
بُرائی ہی رندوں میں بھی شیخ! لیکن — کہاں یہ بُرائی کہاں وہ بُرائی
گناہوں سے بچنے کی صورت نہیں جب — عبادت میں کیوں جان ناحق کھپائی
رُکا ہاتھ جب۔ بنگئے پارسا تم — نہیں پارسائی یہ ہے نارسائی
بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے — سوا اسکے مُنعم میں ہی کیا بڑائی

---

8 یعنی غم دنیا و غم زن و فرزند وغیرہ ۱۲ ✝ اپنے دائم المرض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

جو کہیے تو جھوٹی جو سنیے تو سچّی   خوشامد بھی ہمنے عجب چیز پائی
ہوئی آکے پیری میں قدرِ جوانی   سمجھ ہمکو آئی پہ ناوقت آئی
وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت   وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہے رائی
جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح   جو وھاں دل پہ لی تھی تو یھاں مونہ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو **حالی**
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی ۶۶

وصل کا اُسکے دلِ زار تمنّائی ہے   نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
قطعِ اُمّید نے دل کر دیئے یکسو۔ صد شکر   شکل مدّت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے
قوّتِ دستِ خدائی ہے شکیبائی میں   وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
ڈر نہیں غیر کا- جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے   ہمنے جب کھائی ہے اپنے ہی سے کھائی ہے
نشہ میں چُور نہ ہوں جھانجھ میں مخمور نہ ہوں   پند یہ پیرِ خرابات نے فرمائی ہے
نظر آتی نہیں اب دل میں تمنّا کوئی   بعد مدت کے تمنا مری بر آئی ہے

بات سچّی کہی- اور انگلیاں اُٹھیں سب کی
سچ میں **حالی** کوئی رسوائی سی رسوائی ہے ۶۷

اُتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے   جسقدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے
سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار   آئے اِس میدان میں زاہد اگر کچھ جان ہے
دیکھ اے بُلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھولکر   پھُول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے

عقل پھیلی پرستی حرص و آز انسان کی
لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے
چیونٹوں میں اتحاد اور مکھیوں میں اتفاق
آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے
تجھ میں جوت اے شمع ہے کس برقِ عالم سوز کی
جان و دل سے تجھ پہ پروانہ جو یوں قربان ہے
دل میں **حالی** کے رہے باقی نہ بس ارمان کچھ
جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے ۹۸

تم میں وہ سوز نہ ہم میں ہے وہ ایماں باقی
رہ گیا کیا ہے اب اے گبر و مسلماں باقی
بزمِ دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اُسوقت
میزباں جب نہ رہا کوئی نہ مہماں باقی
حق ادا اک نگہِ لطف کا ہوگا کیونکر
دل و دیں لے چکے اور ہے ابھی احساں باقی
ظاہرا درد ہی الفت کا نہیں چارہ پذیر
ورنہ چھوڑا نہیں ہمنے کوئی درماں باقی
توشہ موجود ہے **حالی** نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے ساماں باقی ۹۹

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تُف کیجئے
نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجئے
وھاں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہی بار
اُس سے آخر کسطرح پیدا تعارُف کیجئے
ضبط کیجے دردِ دل تو ضبط کی طاقت نہیں
اور کُھلا جاتا ہے رازِ دل اگر اُف کیجئے
دوست کے تیور ہیں ہم ہر رنگ میں پہچانتے
بے تکلّف ملئے ہمسے یا تکلُف کیجئے
جب کہ عقبیٰ مل گئی دنیا ہے پھر سہل الوصول
شیخ لگتے ہاتھ اسپر بھی تصرّف کیجئے
وقت تھا جو کام کا **حالی** گنوا بیٹھے اُسے
جائیے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجئے

تو یہ حضرت کی یونہیں اک دودہ کا سا ہے اُبال
ہم دکھادینگے ذرا دم بھر توقُّف کیجئے

فکرِ فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی
جان کو ہمنے لگا لی ہے یہ علّت کیسی
جب خزاں ہو گئی آخر تو رہا بیمِ خزاں
جنکی قسمت میں ہو کلفت اُنھیں راحت کیسی
جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا
وہ تو آفت تھی ہمارے لیئے۔ الفت کیسی
جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں
قیدِ ہستی میں مری جان فراغت کیسی
عیب جوئی سے نہیں خلق کی دم بھر فارغ
جنکو کچھ کام نہیں یہاں۔ اُنھیں فرصت کیسی
جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری اے دنیا
وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
جانتا ہے وہی۔ دل پر ہے گذرتی جسکے
ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہے حالت کیسی
ہمنے اول سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک
ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح
وحی بھی کام نہیں کرتی۔ نصیحت کیسی
نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے **حالی** انجام
یارکی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تن آسانی مری
کفر سے بدتر مسلمانی مری
تھا نہ محتاجِ سبب عفوِ کریم
کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
خلد میں بھی گر رہی یاد اُسکی زُلف
کم نہ ہو شاید پریشانی مری
ہے لباسِ جسم تک مجھپر گراں
دور جا پہنچی ہے عریانی مری

باغِ گلگشت ہے بیمِ خزاں   موت کرتی ہے نگہبانی مری
قدرِ نعمت ہی بقدرِ انتظار   حشر پر ٹھہری ہے مہمانی مری

خندہ زن ہے اُس مُسلمانی پہ کفر
جیسی ہے **حالی** مسلمانی مری

پردے بہت سے وصل میں بھی درمیاں رہے   شکوے وہ سب سُنا کیئے اور مہرباں رہے
کیا کیا ہیں دل میں دیکھیے ارماں بھرے ہوئے   ہم میزباں نہیں جو کوئی میہماں رہے
حرماں ہیں ہاتھ سے نہ دیا رشتۂ امید   اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں رہے
پوچھی گئی نہ بات کہیں پاسِ وضع کی   اُتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گراں رہے
دیر و حرم کو تیرے فسانوں سے بھر دیا   اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں رہے
دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے   نرخِ متاعِ عشق۔ الٰہی گراں رہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ دل بہت
اگلے سے ولولے وہ اب اُنھیں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے   بات اُس کی کاٹتے رہے اور ہم زباں رہے
یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا   ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے
یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہلِ وعظ   یا آپ بھی ملازمِ پیرِ مُغاں رہے
وصلِ مدام سے بھی ہماری بُجھی نہ پیاس   ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیم جاں رہے
کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا رو سیاہ   تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام   کشتی کسیکی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا
کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں رہے

(ق) حق وفا کے جو ہم جتانے لگے   آپ کچھ کہہ کے مُسکرانے لگے
تھا یہاں دل میں طعن وصل عدو   عذر اُن کی زباں پہ آنے لگے
ہمکو جینا پڑے گا فرقت میں   وہ اگر ہمت آزمانے لگے
ڈر ہے میری زباں نہ کُھل جائے   اب وہ باتیں بہت بنانے لگے
جان بچتی نظر نہیں آتی   غیر الفت بہت جتانے لگے
تمکو کرنا پڑے گا عُذرِ جفا   ہم اگر دردِ دل سنانے لگے
سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم   ہم بھی آخر کو جی چُرانے لگے
جی میں ہے لوں رضائے پیرِ مُغاں   قافلے پھر حرم کو جانے لگے
سرِ باطن کو فاش کر یارب   اہلِ ظاہر بہت ستانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

(ق) حشر تک یاں دلِ شکیبا چاہیئے   کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیئے
ہے تجلّی بھی نقابِ روئے یار   اُسکو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیئے

غیر ممکن ہے نہو تاثیرِ غم　　حالِ دل پھر اُسکو لکھا چاہیئے
ہے دل افگاروں کی دلداری ضرور　　گر نہیں اُلفت مُدارا چاہیئے
ہے کچھ اک باقی خلش اُمید کی　　یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیئے
دوستوں کی بھی نہو پروا جسے　　بے نیازی اُسکی دیکھا چاہیئے
بھا گئے ہیں آپ کے انداز و ناز　　کیجیئے اغماض جتنا چاہیئے
شیخ! ہے اِن کی نگہ جادو بھری　　صحبتِ رنداں سے بچنا چاہیئے

لگ گئی چُپ حالیِ رنجور کو
حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیئے

ق جنوں کارفرما ہوا چاہتا ہے　　قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے
دمِ گریہ کس کا تصور ہے دل میں　　کہ اشک اشک دریا ہوا چاہتا ہے
خط آنے لگے شکوہ آمیز اُنکے　　ملاپ اُنسے گویا ہوا چاہتا ہے
بہت کام لینے تھے جس دل سے ہمکو　　وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے
ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں　　اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہیں رخصت　　کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
فزوں تر ہے کچھ اِن دنوں ذوقِ عصیاں　　درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے
قلق گر یہی ہے تو رازِ نہانی　　کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے
وفا شرطِ الفت ہی لیکن کہاں تک؟　　دل اپنا بھی تجھسا ہوا چاہتا ہے

بہت خط اُٹھاتا ہے دل تجھ سے مِلکر   قلق دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے
غمِ رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم   سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

(ق) جس کو غصّے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے   آج دل لے گا اگر کل نہ لیا۔ یاد رہے
شوق بڑھتا گیا جوں جوں رُکے اُس شوخ سے ہم   یہ سبق وہ ہے کہ بھُولے سے سوا یاد رہے
ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر   نہو برتاؤ ہیں جو رسم وہ کیا یاد رہے
یاد آؤ گے بہت۔ لطف سمجھ کر کیجے   اس بھلائی کا ہے انجام بُرا۔ یاد رہے
شیخ یہاں شرمِ گنہ شوق بھُلا دیتا ہے   توبہ اُنکی ہے جنھیں اپنی خطا یاد رہے
وادیِ عشق میں موسیٰؑ کو ہو گر رخصتِ دید   ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عصا یاد رہے
خضر نے پاؤں اگر دشتِ فنا میں رکھا   بھُول جائینگے رہِ آبِ بقا یاد رہے
دل بُری طرح لگا عشقِ بتاں میں اے شیخ   دیں پڑا پائیں اگر اب کے خدا یاد رہے
چارہ گر! کار بانداز‌ۂ تدبیر نہیں   کیجیو ہمت اگر وقتِ دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرتِ اس لطف کا پائینگے مزا۔ یاد رہے

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے   آخر کو ہم حوالۂ تقدیر کر چکے
افسوں شبِ وصال کے وھاں کارگر نہیں   نالے شبِ فراق کے تاثیر کر چکے

اے دل اب آزمایش تقدیر کا ہے وقت　　وہ امتحانِ برُشِ شمشیر کر چکے
کہتے ہیں طبع دوست شکایت پسند ہے　　ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے
بھولے رہے تصورِ مژگاں میں چند روز　　دیکھا تو دل کو ہم ہدفِ تیر کر چکے
جاں لب تک انتظار میں آتی ہے بارہا　　مشاطہ جلد تر کہیں تقریر کر چکے
دل لے کے ایک میرا یہ فارغ ہوئے ہیں وہ　　گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے

حالی! اب آؤ پیرویِ مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

ق

نہ وھاں پرسش نہ یھاں تابِ سخن ہے　　محبت ہی کہ دل میں موج زن ہے
بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُسکی　　وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے
بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات　　مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے
عدو سے بات محفل میں نہ کرنی　　جو سچ پوچھو تو جائے سوءظن ہے
بہت دل ہیں ترے عاشق کو درکار　　تری جو بات ہے وہ دل شکن ہے
دلاتی ہے صبا کسکو چمن یاد　　نہ میں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے
کروں تجھسے بیاں کچھ دردِ غربت　　مگر جوشِ سخن مُہرِ دہن ہے
رہے لاہور میں اگر سوجانے　　یہی دنیا ہے جو دارالمحن ہے

---

8 یہ غزل تقریباً سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں اُسوقت لکھی تھی جب کہ اول ہی اول بتقریبِ ملازمت دلّی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا۔ اُسوقت اول تو دلّی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی سو وہاں پہنچتے ہی نہایت سخت وبا آئی۔ اول وبائے ہیضہ کے بعد مدت تک چیچک اور بخار کا زور و شور رہا۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا۔ اُس تنہائی اور سراسیمگی و غم و اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے ۱۲

نہیں آتی کہیں یہاں بوئے یوسف   مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہے
یہاں بیگانگی ہے اسقدر عام   کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے
نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلی   نہ کچھ شیریں کو دردِ کوہکن ہے
مجھے تنہا نہ سمجھیں اہلِ لاہور   تصوّر میں مرے اک انجمن ہے
مری خلوت میں ہے ہنگامۂ بزم   خموشی میں مری ذوقِ سخن ہے
بتاؤں تمکو ہوں کس باغ کا پھول؟   جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے
بتاؤں تمکو ہوں کس مصر کی بو؟   جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے
عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی   مگر یادِ عزیزاں راہزن ہے
نہ لینے دیگا جنت میں بھی آرام   یہی گر جذبۂ مہرِ وطن ہے
گریں نظروں سے سب باتیں پرانی   مگر الفت کہ اک رسمِ کہن ہے
بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی!   یہ سب تم صاحبوں کا حُسنِ ظن ہے

کیا ہے اُسنے کہتے ہیں سخن ترک
مگر ہمکو ابھی اسمیں سخن ہے

(ق)
دھوم تھی اپنی پارسائی کی   کی بھی اور کس سے آشنائی کی
کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت   ہمکو طاقت نہیں جدائی کی
مُنہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے   تمکو عادت ہے خود نمائی کی

---

8 یہ غزل بھی لاہور ہی میں اُسی وقت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی۔ آخر کے اشعار میں اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۱۲

لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں — صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی
ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن — ہمسے باتیں کرو صفائی کی
دل رہا پائے بندِ الفت دام — تھی عبث آرزو رہائی کی
دل بھی پہلو میں ہو تو یہاں کس سے — رکھیئے امید دل ربائی کی
شہر و دریا سے باغ و صحرا سے — بو نہیں آتی آشنائی کی
نہ ملا کوئی غارتِ ایماں — رہ گئی شرم پارسائی کی
بختِ ہم داستانیِ شیدا[8] — تو نے آخر کو نارسائی کی
صحبتِ گاہ گاہیِ رشکی[+] — تو نے بھی ہمسے بیوفائی کی
موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے — ساعت آپہنچی اُس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

ق
کر دیا خوگرِ جفا تو نے — خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دور پہنچی تھی اپنی آزادی — پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیوں نہ آئیں گے یہاں وہ اے ہمدم — بس سنا میں نے اور کہا تو نے
گوش و لب ساتھ لائے تھے ہم آج — نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
صبر کا ہے بہت برا انجام — ہمکو سمجھا ہے دل میں کیا تو نے

---

[8] شیدا سے مراد منشی محمد کرم اللہ خاں صاحب دہلوی ہیں کہ اُس زمانہ میں کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲

[+] رشکی آنریبل نواب محمد علی خاں بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲

ابتداے وفا ہے سر دینا　　میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل　　اور کھویا رہا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اے رشک　　ہمکو کس سے خفا کیا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سُنا تو نے

ق کرکے بیمار دی دوا تو نے　　جان سے پہلے دل لیا تو نے
رہروِ تشنہ لب نہ گھبرانا　　اب لیا چشمۂ بقا تو نے
شیخ جب دل ہی دَیر میں نہ لگا　　آکے مسجد سے کیا لیا تو نے
دور ہو اے دلِ مآل اندیش　　کھو دیا عمر کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ　　کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل وہیں کھو کے آئے تھے سوئے دَیر　　یہاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے اُمیدِ خلد پر **حالی**
کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق دل کو درد آشنا کیا تو نے　　دردِ دل کو دوا کیا تو نے
طبعِ انسان کو دی سرشتِ وفا　　خاک کو کیمیا کیا تو نے
وصلِ جاناں مُحال ٹھہرایا　　قتلِ عاشق روا کیا تو نے
تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں　　غم کو راحت فزا کیا تو نے

جان تھی اک وبال فرقت میں　　شوق کو جاں گزا کیا تو نے
تھی محبت میں ننگ منتِ غیر　　جذب دل کو رسا کیا تو نے
قطعہ
راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی ۱　　درِ میخانہ وا کیا تو نے
قطع ہونے ہی جب لگا پیوند ۲　　غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ　　عشق کو رہنما کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی　　عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پدر[8] کو مہرِ پسر　　اسکو اُس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا مُلک و مال رہزنِ ہوش　　بادشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کامِ جاں کو لذّتِ درد　　درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرو کو ذوقِ طلب　　سعی کو نارسا کیا تو نے
پردۂ چشم تھے حجاب بہت　　حُسن کو خود نما کیا تو نے
عشق کو تاب انتظار نہ تھی　　غرفہ اک دل میں وا کیا تو نے
حرم آباد اور دَیر خراب　　جو کیا سب بجا کیا تو نے
سخت افسردہ طبع تھی احباب　　ہم کو جادو نوا کیا تو نے
پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب　　کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے
حالی اُٹھا ہلا کے محفل کو　　آخر اپنا کہا کیا تو نے

---

[8] اس شعر میں پدر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوبؑ یوسفؑ علیہما السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ ہیں ۱۲

رباعیات

توحید

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا   حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھکو۔ جانا ہے ضرور   بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہی کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا   آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے   انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفاں میں ہی جب جہاز چکر کھاتا   جب قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا   وھاں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور   منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھکو مجبور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ   خورشید کا شش جہت میں پھیلا جب نور

توحید

جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے   دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال   لیکن انھیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے۔ ہوا سے۔ آتش و آب سے یہاں   کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر۔ تیرے خزانے ہیں ازل سے اب تک   گنجینۂ غیب میں اسی طرح[8] نہاں

ایضاً

ہستی سے ہی تیری۔ رنگ و بو سب کے لئے   طاعت میں ہے تیری۔ آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور   سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیاد   دنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر۔ جو کہ ہیں تجھ سے لَو لگائے بیٹھے   رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

زُہّاد کو تو نے محوِ تمجید کیا   عُشّاق کو مستِ لذّتِ دید کیا
طاعت میں رہا نہ حق کی ساجھی کوئی   توحید کو تو نے آ کے توحید کیا

ایضاً

---

[8] یعنی جو کچھ اب تک ظاہر ہوا ہے وہ بمقابلہ اُس کے جو خزانۂ غیب میں مخفی ہے کان لم یکن ہے ۱۲

بطحاے عرب کو محترم تو نے کیا   اور اُمیّوں کو خیر اُمم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تتار   بچھڑے ہوئے گلّہ کو بہم تو نے کیا

ایضاً

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف   یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر   آبا کو بھی ہے تیری ابوّت سے شرف

صلحِ کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بَیر کریں   شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنّم دنیا   وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترکِ شعرِ عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی   بزمِ شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دلِ زندہ تو نے ہمکو چھوڑا   ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیران زندہ دل

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح   ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل اُن کے ہیں ظرف انکے جو کرتے ہیں ٹیر   ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت   ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص   نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں   پر آیا جب امتحاں کی زد پر ایماں
کی عرض کسی نے کہئیے اب کیا ہے صلاح   فرمایا کہ بھائی جان جی ہے تو جہاں

عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا   یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ پر اتنی ہی خبر   اک مشغلہ دلچسپ ہی بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھیرائیو بد اے فرزند   ایک آدھ ادا انکی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں   ہوں اُسمیں اگر گلے سڑے دانے چند

دوستوں سے بے جا توقع

تا زیست وہ محوِ نقشِ موہوم رہے   جو طالبِ دوستانِ معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے   صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوانو مفتوں   گردن پہ نہ لو عقلِ خداداد کا خوں
خود عہدِ شباب اک جنوں ہے ابتم   کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اَور جنوں

غرور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور   پر عیب سے بچئے تا بمقدور ضرور

عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو   گھٹنے سے کہیں اُنکے نہ بڑھجائے غرور

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ۔ زباں سے کہتے ہیں وہ کم   ہوتے نہیں ساتھ جمع۔ دُم[8] اَور قدم
بڑھتا گیا جسقدر کہ حُسنِ گفتار   بس اُتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرطِ قبول

ممکن ہے کہ جوہر کی نہ ہو قدر کہیں   پر قدر کہیں بغیر جوہر کے نہیں
عنبر کو نہ لیں مُفت یہ امکاں ہے۔ مگر   عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگیں

طالب کو سوچ سمجھکر پیر بنانا چاہیئے

ہوں یا نہ ہوں پیر اہلِ عرفان و یقیں   پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہوں نادان کہیں
گاہک کو ہی احتیاج چار آنکھوں کی   اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر   آتا نہیں فرق اسکے سوا اُنھیں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا   جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کُل انجامِ ترقیِ بشر   یاروں سے کہا پیرِ مغاں نے ہنسکر
باقی نہ رہیگا کوئی انساں میں عیب   ہوجائیں گے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

---

[8] دُم دعوی اور قدم عمل ۱۲

مُسرِف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہی

اک مُنعِمِ مُسرِف نے یہ عابد سے کہا کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اُٹھا کر سوے چرخ محتاج کر اسکو جلد اے بار خدا

کام کی جلدی

یہاں رہنے کی مُہلت کوئی کب پاتا ہو آتا ہے اگر آج۔ تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام اُنکو جلدی بھگتاؤ طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہو نفس میں انساں کے جبلّی یہ مرض ہر سعی پہ ہوتا ہے طلبگار عوض
جو خاص خدا کے لیئے تھے کام کیئے دیکھا تو نہاں اُنمیں بھی تھی کوئی غرض

انقلابِ روزگار

بَس بَس کے ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں گڑ گڑ کے عَلَم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اسکی ہے نوبت تو کل اُسکی باری بَن بَن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

تقاضاے سن

حالی کو جو کل فسردہ خاطر پایا پوچھا باعث تو ہنسکے یہ فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی اُمید وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

جس کو زندگانی کا بھروسا نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا

دُنیاے دنی کو نقشِ فانی سمجھو رودادِ جہاں کو اک کہانی سمجھو

پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا   ہر سانس کو عمرِ جاودانی سمجھو

آثارِ زوال

آبا کو زمین و ملک پر اطمینان   اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان
بچے آوارہ اور بے کار جوان   ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے مہمان

شانِ ادبار

صحرا میں جو پایا ایک چٹیل میدان   برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشان
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقان   یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفریں کے لایق ہونا   شیریں سخنی سے شہد فایق ہونا
ممکن نہیں جب تک کہ نہو دل میں نفاق   آساں نہیں مقبول خلایق ہونا

مُسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نہو دشمنِ اخواں پکّا   ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکّا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے   سُنتے ہیں کسی کو جب مُسلماں پکّا

مکر و ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا   خطرہ اُنھیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن اُن بھیڑیوں سے واجب ہی حذر   بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہرِ قابلیّت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشاں   پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انساں
عاری ہیں لباسِ تربیت سے ورنہ   ہیں طوسی و رازی انھیں شکلوں میں نہاں

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال   غائب ہوا تو جہاں سے وہاں آیا زوال
اُنپر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح   جن قوموں نے ٹھیرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلیدِ گنجِ شادی تو ہے   سرچشمۂ نعماءِ آبادی تو ہے
آسایشِ دو جہاں ہے سایہ میں ترے   دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ایضاً

ہے تجھسے نہال جیسی مغرب کی زمیں   مشرق کو وہ فیض تجھسے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہِ نخشب کی طرح   رہتی ہیں شعاعیں تری محدود یہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے نہ جب تلک ذلّت سے   عزت نہیں اُسکو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھات کا نسب بھی عالی   پر اُسکو شرف نہیں کچھ اِس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا۔ مجھسے ہے عزت ہی جہاں   فرمایا ہنر نے۔ میں ہوں عزت کا نشاں
عزت بولی غلط ہے دونو کا بیاں   میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں

توقع بیجا

ہیں یار رفیق۔ پر مصیبت میں نہیں   ساتھی ہیں عزیز۔ لیک ذلّت میں نہیں
اُس بات کی انساں سے توقع ہی عبث   جو نوعِ بشر کی خود جبلّت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جس قدر کمی اور بیشی   اُتنی ہی مغائرت ہے یہاں اور خویشی
وہ دوست نہیں جسنے کیا فکرِ مآل   ضدّین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے   ہر قہقہہ پیغامِ بُکا ہوتا ہے
اہم جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں   کہتا ہوں کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

ایضاً

اے عیش و طرب تو نے جہاں راج کیا   سُلطاں کو گدا غنی کو محتاج کیا
ویراں کیا تو نے نینوا اور بابِل   بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

رونق ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں   بدگوئیِ خلق ہے ہر اک صحبت میں
اَوروں کی بُرائی ہی پہ ہے فخر وہاں   خوبی کوئی باقی نہیں جس اُمت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ   پیروں کو خَرِف اور جوانوں کو تباہ

دیکھا ہے سدا سلامتی میں تیری   قوموں کو ذلیل۔ خاندانوں کو تباہ

سببِ زوالِ سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم   سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مُشیرِ دولت   یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دُنیا کو دیئے دین نے اسرار و حِکَم   دُنیا نے کمر دین کی تھامی جس دم
گر دین کی ممنون بہت ہی دُنیا   دُنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ   کافر کہا واعظ نے اُنھیں اور گمراہ
جھُوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت   لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گر نظمِ جہاں کا ہے مدار   اُس قوم کا جینا ہے حالیؔ دشوار
عزت کی نہیں ہے جسکو ہرگز پروا   ذلّت سے نہیں ہے جسکو ہرگز کچھ عار

عفو باوجودِ قدرتِ انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بارِ خدا   مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا

یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جن کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیخ اکبرؒ کو بعضوں نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندیق اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پس جس شخص میں کوئی صریح اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہو اُسکی تکفیر یا تضلیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعوے پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲

ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے   جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

سختی کا جواب نرمی ہے

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجے تسکیں   زہر اُگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غُصّہ غُصّے کو اور بھڑکاتا ہے   اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمّت

تیمور نے اک مورچہ زیرِ دیوار   دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر سرِ بام لیکے پہنچا تو کہا   "مشکل نہیں کوئی پیشِ ہمت دشوار"

کم ہمتی

جبریّہ و قدریّہ کی بحث و تکرار   دیکھا تو نہ تھا کچھ اسکا مذہب پہ مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور   جو باہمت تھے بَن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طُغیانی کا   ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذّت سے ندامتوں کی جانا ہمنے   دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تأسُّف بر وفات نواب ضیاء الدین احمد خان مَرحُوم نیّر تخلّص دہلوی

قمری ہے نہ طاؤس نہ کبکِ طنّاز   آتے ہی خزاں کے کر گئے سب پرواز
تھی باغ کی یادگار اک بلبل زار   سو اُسکی بھی کل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالبؔ ہے نہ شیفتہ نہ نیّرؔ باقی وحشتؔ ہے نہ سالکؔ ہے نہ انورؔ باقی
حالیؔ اب اسی کو بزمِ یاراں سمجھو یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یہاں ہر اک دامن میں محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰؑ کو ملی نہ قوم کی چوپانی جب تک نہ چرائیں بکریاں مدیَن میں

گدائی کی ترغیب

اک مردِ توانا کو جو سائل پایا کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اسکا اُنکی گردن پہ وبال دے دیکے جنھوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیرِ اہلِ اسلام

کہنا فُقہا کا مومنوں کو بے دیں سُنتے سُنتے یہ ہوگیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال تکفیر بھی کی تھی فُقہا نے کہ نہیں؟

ترکِ عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہمسے سوگواری سُن لو کچھ چشمِ جہاں میں اپنی خواری سُن لو
افسانۂ قیس و کوہکن یاد نہیں چاہو تو کتھا ہمسے ہماری سُن لو

تنزّلِ اہلِ اسلام

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے

---

8 یہ اُن شعرائے دہلی کے نام ہیں جنکے ساتھ راقم کو ربط اور اختصاص رہا ہے عام اس سے کہ وہ مشہور و نامور ہوں یا نہ ہوں ۱۲ (حالی)

مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

اول کوشش اور بعد دعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انساں سے پھر چاہیئے مانگنی مدد یزداں سے
جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا پائی نہ نجات نوحؑ نے طوفاں سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انساں کے لئے بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح مُردوں کی طرح جیئے تو کیا خاک جیئے

جھوٹی نمایش

ہیں جھوٹ کے سچ میں سب سمونے والے بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جنکی جیبوں میں مدام اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جسکی ہزار بدظن نہو عیب اُسمیں اگر ہوں دو چار
طاؤس کے پائے زشت پر کرکے نظر کر حُسن و جمال کا نہ اُس کے انکار

سکوتِ درویشِ جاہل

مصروف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ مونہ سے یا نہ بولیں حضرت معلوم ہے ہمکو جتنے پانی میں ہیں آپ

یعنی جب تک کہ کشتی نہ بنائی ۱۲

ملحدوں کا طعن مُسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک مُنکرِ قرآن و خبر   کیا لیں گے یہ اہلِ قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دَم ہے تو میدان میں آئیں۔ ورنہ   کُتّا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا   ہوگا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھسا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر   اُس سے بھی گیا کہ جسکے لاکھوں ہوں خدا

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ سماعت نہ ہو جب کانوں میں   دانائی کی باتوں میں اور فسانوں میں
غُربت میں ہے اجنبی مسافر جس طرح   دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دھونے کی ہے اے رفارمر جا باقی   کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبا باقی
دھو شوق سے دھبّے کو پہ اتنا نہ رگڑ   دھبّا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سُنکر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں نادان فی الفور   داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ مدح سُنکر ناخوش   مقصود یہ ہے کہ ہو ستائش کچھ اور

حُسنِ ظن اصل حال نہیں کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں   نیکی میں شک اُسکی کوئی لایا ہی نہیں

ہو سکّہ رائج میں بھی شاید کچھ کھوٹ — پر اُسکو کسی نے یہاں تپایا ہی نہیں

دینداروں کی بُرائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبوں جو حالِ اہلِ اسلام — اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بدپرہیزی سے بگڑے اپنی بیمار — اور مُفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

فکرِ عقبیٰ

منزل ہے بعید۔ باندھ لو زادِ سفر — مواج ہے بحر۔ رکھو کشتی کی خبر
گاہک چوکس ہے۔ لیچلو مال کھرا — ہلکا کرو بوجھ ہے کٹھن راہگذر

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انساں — ممکن ہے۔ بدی کا نہ رہے اُسمیں نشاں
ممکن تو ہے سب کچھ۔ پہ حقیقت یہ ہے — انسان ہے ابتک وہی قرنُ الشیطاں

سلاطین کا عشق

ہر چند بُرا ہے عشق کا سب کے مآل — پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصًا بدفال
سُلطاں ہو اگر ظلِ الٰہی تو عشق — ہے ظلِ الٰہی کے لیے وقتِ زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ — پر تجھسے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی — پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لیئے تیار رہنا چاہیئے

کی طاعتِ نفس میں بہت عمر بسر   انجام کی رکھّی نہ جوانی میں خبر
کیفیتِ شب اُٹھا چکے۔ اب حالی   مجلس کرو برخاست۔ ہوا وقتِ سحر

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا   زردار ذرا سوچ سمجھکر ہونا
جسطرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک   ہے جوہرِ انساں کی کسوٹی سونا

حد سے زیادہ غصّہ قابلِ عفو ہے

غُصّہ پہ کسی کے غُصّہ آتا ہے وہیں   جب تک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قریں
آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر   پھر کس سے ہوں آزردہ کہ تو تو ہی نہیں

سُفَہا کی مدح و ذم

کرتے ہیں سفیہ اگر مذمّت تیری   کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری
پر مدح کریں وہ گر (نصیبِ اعدا)   رکھ یاد کہ اچھّی نہیں حالت تیری

مرضِ پیری لا علاج ہے

اب ضعف کے پنجے سے نکلنا معلوم   پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھوتی ہے وہ چیز جسکا پانا ہے مُحال   آتا ہے وہ وقت جسکا ٹلنا معلوم

اسراف

مُسرِف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں   نعمت نہ خدا کی رائگاں یوں کھوئیں
گر بُخل پہ لوگ اُن کے ہنسیں۔ بہتر ہے   اس سے کہ فضولیوں پہ اُن کی روئیں

ردِّ سُوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے۔ نہ صواب   زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار لے دُوں ہمت   سائل کے سُوال سے ترا تلخ جواب

کھانا بغیر بُھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسّر آئے ہیں ہمیں   جو دیکھکے۔ چکھکے۔ دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے ای بُھوک   جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال   مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی   اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوفِ زوال

اچھّوں کو بُرا سُننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا   جو کرکے بھلا۔ خلق سے سُنتے ہیں بُرا
اِن گالیوں کا ہے جنکو چسکا حالی   آتا نہیں اُن کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکریّہ[*] مدحِ کلام راقم

جوشِ خُمِ بادہ جامِ خالی میں ہوا   پھر ولولہ پیدا دلِ حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اسطرح دادِ سخن   مجھکو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

---

[*] مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم جے پور متخلص بہ تسلیم نے چند قطعے اردو اور فارسی کے راقم کے کلام کی ستایش میں اُسوقت بھیجے تھے۔ جب کہ مدت سے فکرِ شعر کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اُن قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی ۱۲

احسان بے منت

احساں کے ہی گر صلہ کی خواہش تمکو تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نہ کرو
کرتے ہو گر احسان تو کر دو اُسے عام اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون ہیں بیشتر یقیناً بیکار حاشا کہ ہوا نپہ نظم عالم کا مدار
جو نیک ہیں اُنکو نہیں حاجت انکی اور بد نہیں بنتے نیک اِنسے زنہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہلِ شر سے اڑنا نہ کہیں بھڑکے گی مداخت سے اَور آتش کیں
گر چاہتے ہو کہ چُپ رہیں اہلِ خلاف جز ترکِ خلاف کوئی تدبیر نہیں

ٹیکس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اُٹھکر کہ حضور ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اَٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں
۹۷ اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے بس مجھکو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرنا

لائیں پیری میں شیخ ! بھرتے نہیں یوں دل دیتے ہیں ۔ پر جی سے گذرتے نہیں یوں

تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا   جو جیتے ہیں اسطرح وہ مرتے نہیں یوں

واعظوں کی سخت کلامی

اک گبر نے پوچھے جو اصولِ اسلام   واعظ نے درشتی سے کیا اُس سے کلام
بولا کہ حضور مقتدا ہوں جسکے   ایسی ملّت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب وقارالامرا اقبال الدّولہ بہادر کی شان میں

توفیق نے اُسکی چھوڑ دی ہمراہی   اقبال پہ جس نے فتحیابی چاہی
حالی لے جائے کون بازی اُنسے   ہے جنکی رگوں میں خون آصف جاہی

رباعیاتِ قدیم

ہو عیب کی خو یا کہ ہنر کی عادت   مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اُس گلی میں جانا   عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

مرنے پہ مرے وہ روز و شب روئینگے   جب یاد کرینگے مجھے تب روئینگے
الفت پہ ۔ وفا پہ ۔ جاں نثاری پہ مری   آگے نہیں روتے تھے تو اب روئینگے

---

⑧ یہ رباعی سنہ ۱۳۰۱ ہجری میں جبکہ راقم حیدرآباد میں مقیم تھا اور نواب وقار الملک بہادر بمبئی سے پولو میں بازی جیت کر آئے تھے۔ لکھی تھی مگر اُنکی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خون آصف جاہی کے لفظ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ حضور سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور اقبال کے لفظ میں اُنکے خطاب کی طرف اشارہ ہے۔

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گذرے
اک خستہ جگر کی رات کیونکر گذرے
گذری نہ ہو جس بغیر یہاں ایک گھڑی
یہ چار پہر کی رات کیونکر گذرے

یاد اُس کی یہاں ورد مدام اپنا ہے
خالی نہ ہو جو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجئے کہ ہے نام اُس کا
کس طرح نہ کیجئے کہ کام اپنا ہے

کیا پاس تھا قولِ حق کا اللہ اللہ
تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
میں اَور اطاعت یزید گمراہ!!
لا حولَ ولا قوّۃ اِلّا باللہ

حُرؒ کہتا تھا اے دل شہِ ذی جاہ سے مل
گمرہ نہ ہو رہبرِ حق آگاہ سے مل
سرگشتگیِ کوئے ضلالت کب تک؟
اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے مل

گر کفر میں **فرعون** کا ثانی نکلا
اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھاہ بحرِ غفلت کی **یزید**
وھاں **نیل** سے بھی زیادہ پانی نکلا

قصیدے ترکیب بند مسدس اور قطعے مختلف مضامین پر بہ ترتیب اوقات تحریر

۱۔ قصیدہ نعتیہ[8]

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دوجہاں کے لیئے — سخن زباں کے لیئے اور زباں دہاں کے لیئے
وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں — عداوت اُس کی عذابِ الیم جاں کیلیئے
وہ شاہ جس کا مُحِب امن و عافیت میں مدام — محبّت اُس کی حصارِ حصین اماں کیلیئے
وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم — رہا نہ تفرقۂ روز و شب زماں کیلیئے
وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغباں مشکور — رہی نہ آمد و رفتِ چمن خزاں کیلیئے
ہلال مکّہ کا۔ ماہِ دوہفتہ یثرب کا — فروغ قوم کے۔ اور شمع دودماں کیلیئے
گھر اُس کا موردِ قرآن و مہبطِ جبریلؑ — در اُس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کیلیئے

---

[8] یہ قصیدہ ۱۲۸۱ھ یا ۱۲۸۲ھ ہجری کا لکھا ہوا ہے اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا۔ اسکو اپنی قدیم شاعری کا نمونہ سمجھکر بدستور سابق رہنے دیا ہے کہیں کچھ تصرف نہیں کیا گیا۔

سپہرِ گرمِ طواف اُس کی بارگاہ کے گرد زمیں سر بسجود اُسکے آستاں کے لئے
وہ لحظہ لحظہ تفقّد وہ دمبدم الطاف رضائے خاطرِ یارانِ جانفشاں کے لئے
وہ گونہ گونہ مُدارا وہ بات بات میں مہر کشائشِ گرہِ کینِ دشمناں کے لئے
گہ افتخار مقابل میں اہلِ نخوت کے گہ انکسار مُدارات میہماں کے لئے
کہیں ہلاک میں تاخیر قومِ سرکش کے کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لئے
صفائے قلب حسُودانِ کینہ خواہ کے ساتھ دعائے خیر بداندیش و بدگماں کے لئے
کہیں مقدمۃ الجیش انبیا و رُسُل کہیں وہ خاتمۃ الباب داستاں کے لئے
مدینہ مرجع و ماوائے اہلِ مکہ ہوا مکیں سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکاں کے لئے
اسی شرف کے طلبگار تھے کلیم و مسیح نوید۔ اُمّتِ پیغمبرِ زماں کے لئے
بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ راہزن کا خطر ہوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لئے
شفیعِ خلق سراسر خدا کی رحمت ہے بشارت اُمّتِ عاصیّ و ناتواں کے لئے
شفاعتِ نبوی ہے وہ برقِ عصیاں سوز کہ حکمِ خس ہے جہاں کفرِ دو جہاں کے لئے
خدا کی ذات کریم اور نبی کا خُلق عظیم گنہ کریں تو کریں رخصت انس و جاں کے لئے
اُسی کا دیں ہے کہ ہے گلشنِ ہمیشہ بہار وگرنہ ہر گل و گلزار ہے خزاں کے لئے
عبورِ لُجّۂ عصیاں سے کسطرح ہو اگر وہ ناخدا نہو اس بحرِ بیکراں کے لئے
مریضِ حرص و ہوا پائے کب شفا۔ جبتک وہ چارہ گر نہو اس دردِ جانستاں کے لئے
نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لئے

ارادہ عرش تک اک آن میں پہنچنے کا   کیا تھا عزم اولوالعزم نے کہاں کے لیے
کرم کا دیکھیے دامن کہاں تلک ہو فراخ   ہو میزبان خدا جب کہ میہماں کے لیے
زمیں پہ ٹھیرا ہے ماوائے شاہِ عرش نشیں   رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لیے
اِسی سے ہوتا ہے ظاہر عیارِ استعداد   محک ہے حُبِّ نبیؐ دل کے امتحاں کے لیے
اگر نصیب ہو یثرب میں جا کے شربتِ مرگ   پیوں نہ آبِ بقا عمرِ جاوداں کے لیے
اگر بقیع میں گز بھر زمیں میسّر آئے   کروں نہ طولِ اَمل روضۂ جناں کے لیے
سمایا اُس کا جو نقشِ قدم تصوّر میں   ہجومِ شوق میں بوسے کہاں کہاں کے لیے
حریفِ نعتِ پیمبرؐ نہیں سخن **حالیؔ**   کہاں سے لائیے اعجاز اِس بیاں کے لیے
نبیؐ کا نام ہو وردِ زباں۔ رہے جب تک   سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

۲۔ ترکیب بند۔ مرثیہ ۱۲۸۵ھ ہجری

مرثیہ جناب مرزا اسد اللہ خاں مرحوم دہلوی متخلص بہ غالب

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی   وقت کوتاہ و قصّہ طولانی
عیش دُنیا سے ہو گیا دل سرد   دیکھ کر رنگِ عالمِ فانی
کچھ نہیں جز طلسمِ خواب و خیال   گوشۂ فقر و بزمِ سُلطانی
ہے سراسر فریب و وہم و گماں   تاجِ فغفور و تختِ خاقانی
بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب   جامِ جمشید و راحِ ریحانی

لفظِ مہمل ہے نطقِ اعرابی حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی
ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی اک تماشا ہے حسنِ کنعانی
نہ کروں تشنگی میں تر لبِ خشک چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشتِ خاک کے بدلے گر ملے خاتمِ سلیمانی

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں۔

جس سے دنیا نے آشنائی کی اُس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ ہاں قسم مجھکو آشنائی کی
یہ وہ بے مہر ہے کہ ہے اِس کی صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظِّ وصل سے محروم جس کو طاقت نہ ہو جدائی کی
ہے یہاں حفظِ وضع سے مایوس جس کو عادت نہ ہو گدائی کی
خندۂ گل سے بے بقاتر ہے شان ہو جس میں دلربائی کی
جنسِ کاسد سے ناروا تر ہے خوبیاں جس میں ہوں خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس آج خاقانی و سنائی کی

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مُرد
اسد اللہ خانِ غالب مُرد

بلبلِ ہند مر گیا ہیہات
جسکی تھی بات بات میں اک بات

نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس
پاک دل پاک ذات پاک صفات

شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج
رند اور مرجع کرام و ثقات

لاکھ مضموں اور اُسکا ایک ٹھٹھول
سو تکلف اور اُسکی سیدھی بات

دل میں چُبھتا تھا وہ اگر بمثل
دن کو کہتا دن اور رات کو رات

ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا
قلم اُسکا تھا اور اُس کی دوات

تھیں تو دلّی میں اُسکی باتیں تھیں
لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات

اُسکے مرنے سے مر گئی دلّی
خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات

یہاں اگر بزم تھی تو اُس کی بزم
یہاں اگر ذات تھی تو اُسکی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

دل کو باتیں جب اُسکی یاد آئیں
کس کی باتوں سے دلکو بہلائیں

کس کو جا کر سُنائیں شعر و غزل
کس سے دادِ سخنوری پائیں

مرثیہ اُس کا لکھتے ہیں احباب
کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں

پست مضموں ہی نوحہ اُستاد
کس طرح آسماں پہ پہنچائیں

لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں
اہلِ میّت جنازہ ٹھیرائیں

لائیں گے پھر کہاں سے غالب کو
سوئے مدفن ابھی نہ لیجائیں

اُسکو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح   اہل انصاف غور فرمائیں
قدسی و صائب و اسیر و کلیم   لوگ جو چاہیں اُنکو ٹھیرائیں
ہمنے سب کا کلام دیکھا ہے   ہے ادب شرط مونہ نہ کھلوائیں

غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

نثر حُسن و جمال کی صورت   نظم غنج و دلال کی صورت
تہنیت اک نشاط کی تصویر   تعزیت اک ملال کی صورت
قال اُس کا وہ آئینہ جسمیں   نظر آتی تھی حال کی صورت
اُس کی توجیہ سے پکڑتی تھی   شکل امکاں مُحال کی صورت
اُس کی تاویل سے بدلتی تھی   رنگ ہجراں وصال کی صورت
لطفِ آغاز سے دکھاتا تھا   سخن اُس کا مآل کی صورت
چشمِ دوراں سے آج چھپتی ہے   انوری و کمال کی صورت
لوحِ امکاں سے آج مٹتی ہے   علم و فضل و کمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے   غالبِ بے مثال کی صورت

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائیں گے یہ لوگ

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج   اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج

نازشِ خلق کا محل نہ رہا رحلتِ فخرِ روزگار ہے آج
تھا زمانے میں ایک رنگیں طبع رخصتِ موسمِ بہار ہے آج
بارِ احباب جو اُٹھاتا تھا دوش احباب پر سوار ہے آج
تھی ہر اک بات نیشتر جس کی اُسکی چپ سے جگر فگار ہے آج
دلمیں مدت سے تھی خلش جسکی وہی برچھی جگر کے پار ہے آج
دلِ مضطر کو کون دے تسکیں ماتمِ یارِ غمگسار ہے آج
تلخیٔ غم کہی نہیں جاتی جانِ شیریں بھی ناگوار ہے آج
کس کو لاتے ہیں بہرِ دفن کہ قبر ہمہ تن چشمِ انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دلِ ناشاد
کس سے خالی ہوا جہاں آباد

نقدِ معنی کا گنجداں نہ رہا خوانِ مضموں کا میزباں نہ رہا
ساتھ اُسکے گئی بہارِ سخن اب کچھ اندیشۂ خزاں نہ رہا
ہوا ایک ایک کارواں سالار کوئی سالارِ کارواں نہ رہا
رونقِ حُسن تھا بیاں اُس کا گرمِ بازار گُلرخاں نہ رہا
عشق کا نام اُس سے روشن تھا قیس و فرہاد کا نشاں نہ رہا
ہو چکیں حُسن و عشق کی باتیں گل و بلبل کا ترجماں نہ رہا
اہلِ ہند اب کرینگے کس پر ناز رشکِ شیراز و اصفہاں نہ رہا

زندہ کیونکر رہے گا نام ملوک   بادشاہوں کا مدح خواں نہ رہا
کوئی ویسا نظر نہیں آتا   وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا
اُٹھ گیا تھا جو مایہ دار سخن
کسکو ٹھیرائیں اب مدار سخن
کیا ہے جس میں وہ مرد کار نہ تھا   اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
شاعری کا کیا حق اُس نے ادا   پر کوئی اُس کا حق گزار نہ تھا
بے صلہ مدح و شعر بے تحسیں   سخن اُس کا کسی پہ بار نہ تھا
نذرِ سائل تھی جان تک لیکن   قطعہ   درخورِ ہمت اقتدار نہ تھا
ملک و دولت سے بہرہ ور نہوا   ۲   جان دینے پہ اختیار نہ تھا
خاکساروں سے خاکساری تھی   سربلندوں سے انکسار نہ تھا
لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلا   دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا
بے ریائی تھی زہد کے بدلے   زہد اُس کا اگر شعار نہ تھا
ایسے پیدا کہاں ہیں مست و خراب   ہمنے مانا کہ ہوشیار نہ تھا
مظہرِ شانِ حسن فطرت تھا
معنئ لفظ آدمیت تھا
کچھ نہیں فرق باغ و زنداں میں   آج بلبل نہیں گلستاں میں
شہر سارا بنا ہے بیتِ حزن   ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں

ملک یکسر ہوا ہے بے آئیں — اک فلاطوں نہیں جو یوناں میں
ختم تھی اک زباں پہ شیرینی — ڈھونڈھتے کیا ہو سیب و رُماں میں*
لب جادو بیاں ہوا خاموش — گوش گل وا ہے کیوں گلستاں میں
گوش معنی شنو ہوا بے کار — مرغ کیوں نغرہ زن ہے بُستاں میں
وہ گیا جس سے بزم روشن تھی — شمع جلتی ہے کیوں شبستاں میں
نہ رہا جس سے تھا فروغ نظر — سرمہ بنتا ہے کیوں صفاہاں میں

ماہ کامل میں آگئی ظلمت
آبِ حیوان پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پائیگا اب کون — سکہ اپنا بٹھائیگا اب کون
ہمنے جانی ہے اُس سے قدر سلف — اُن پر ایمان لائیگا اب کون
اُس نے سب کو بُھلا دیا دل سے — اُسکو دل سے بُھلائیگا اب کون
تھی کسی کی نہ جس میں گنجایش — وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون
اُس سے ملنے کو یہاں ہم آتے تھے — جا کے دلّی سے آئیگا اب کون
مر گیا قدردان فہم سخن — شعر ہمکو سُنائیگا اب کون
مر گیا تشنۂ مذاق کلام — ہمکو گھر سے بُلائیگا اب کون
تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک — ہمکو چالیں بتائیگا اب کون
شعر میں ناتمام ہے **حالی** — غزل اُسکی بنائے گا اب کون

* حصر تھی اک بیاں میں رنگینی * کیا دھرا ہے عقیق و مرجاں میں

کَمْ لَنَا فِیْہِ مِنْ بُکًی وَعَوِیْل
وَعِتَابٍ مَعَ الزَّمَانِ طَوِیْل

٣- قصیدہ نعتیہ *

میں بھی ہوں حُسنِ طبع پر مغرور ۔۔۔ مجھ سے اُٹھینگے اُنکے ناز ضرور
خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ ۔۔۔ مجھ سے برتر ہے میری طبعِ غیور
خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے ۔۔۔ میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور
نہ گنو اہلِ عصر میں مجھکو ۔۔۔ میں بہت کھینچتا ہوں آپ کو دور
چشمۂ آبِ خضر کی مانند ۔۔۔ چشمِ اہلِ جہاں سے ہوں مستور
دل سے داد اپنی لے چکا ہوں بہت ۔۔۔ مجھکو پروا نہیں کہ ہوں مشہور
مثلِ یوسف دکھائے جوہرِ ذات ۔۔۔ جسکو بکنا ہو مفت یہاں منظور
جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر ۱ ۔۔۔ ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
ٹُبک و قمری کو رخصتِ پرواز ۲ ۔۔۔ بال و پر بستہ صعوہ و عصفور

---

* اس قصیدہ کی تمہید ۱۲۸۷ھ یا ۱۲۸۸ھ کے ہذیانات میں سے ہو۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ دلی میں نامور شعرا کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مومن ذوق۔ آزردہ۔ غالب اور شیفتہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انھیں دنوں میں سیتا رام کے باڑے میں ایک مشاعرہ قرار پایا۔ مصرع طرح پر تین غزلیں بڑے دعوی سے لکھیں۔ جن دوستوں کی جا و بیجا تحسین و آفرین سے دماغ میں خلل آگیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرہ میں نہ آئے۔ بیسوا اپنے خریدار کی بے التفاتی سے شاید ایسی کھسیانی نہیں ہوتی ہے جیسا کہ شاعر اُن لوگوں کی بے التفاتی سے جنکو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدردان سمجھتا ہے۔ اُسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی فخریہ تمہید لکھی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے مُنہ میاں مٹھو بنتے ہیں کیونکہ اُس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جسطرح آج کل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسیطرح شاعری بھی منوانے سے مانی جاتی ہے لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعۃً اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔ لہٰذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا تاکہ فخر کے لیے ایک وجہ پیدا ہو جائے ۱۲

جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں اُس سے شکوہ نہیں کہ ہے معذور
لذّتِ مے سے جو نہ ہو آگاہ اُسکو کیا قدرِ خوشۂ انگور
جسکے آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے روزِ روشن ہے یا شبِ دیجور
پہلے ہوگی کسی کو قدرِ ہنر اُٹھ گیا اب جہاں سے یہ دستور
دردِ دل کا بیاں کروں کس سے بات کھونی نہیں مجھے منظور
سخن حق کی داد لوں کس سے سُن چکا ہوں فسانۂ منصور
دلِ آباد مفتِ بے ہُنراں ہو چُکا خانۂ ہُنر معمور
مژدہ خُسرو کو وصلِ شیریں کا ہو چکی سعیِ کوہکن مشکور
ہمنے دیکھی تمیزِ اہلِ نظر ہمنے دیکھا مذاق اہلِ شعور
ہے غرض اِن کو صَوتِ موزوں سے نالۂ دل ہو یا نوائے طنبور
ہو کسی شے سے اِنکی گرمیِ بزم داستاں ہو وہ یا کہ درسِ زبور
ہے فقط روشنی سے انکو کام موم ہو اصلِ شمع یا کافور
ہے یہاں قائلِ اَنَا مردود ہو وہ فرعونِ وقت یا منصور
آپ اپنے سخن سے ہوں محظوظ دلِ اصحاب گو نہ ہو مسرور
یہاں اگر کام ہے تو شیریں سے قصرِ خُسرو کے اَور ہیں مزدور
دلِ احباب پر نہیں چلتا سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
ہوں تماشائے شہرِ نابینا ہے برابر مرا خفا و ظہور

دُرِ یکتا ہوں اور ہوں بے آب   ماہ کامل ہوں اور ہوں بے نور
چشمہ پیدا او کارواں تشنہ   بادہ پر زور و انجمن مخمور
اس زمانے میں وہ غریب ہوں میں   جو وطن سے ہو لاکھ منزل دور
صاحبِ قدر و جاہ ہے جبتک   کارفرما ہے چین میں فغفور
کاش اُس عہد میں مجھے پاتے   تھا سخن جب کہ قبلۂ جمہور
کاش وھاں دیکھتے مجھے کہ جہاں   متنبّی تھا مادحِ کافور
کون سمجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز   انوری ہے نہ عرفی و شاپور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار   مرگیا عندلیب[8] نیشاپور
جس سے ہوتا ہی خستہ سینۂ ہوش   ہے زباں میری وہ دمِ ساطور
جس سے ہوتا ہے کور پروانہ   ہے مری شمع میں وہ لمعۂ نور
شرح نقطہ کی گر کروں تحریر   تنگ ہو عرصۂ نقوش و سطور
ترکِ عشقِ بُتاں کریں عُشاق   مجھسے سُن پائیں گر ستایشِ حور
گر کروں ذکرِ لذتِ طاعات   تلخ کردوں مذاقِ فسق و فجور
چھیڑ دوں گر فسانۂ فرہاد   دلِ خسرو میں ڈالدوں ناسور
کرنے جاؤں جو حق سے عذرِ گناہ   لے کے آؤں نویدِ عفوِ قصور
لوں ملائک سے دادِ حُسنِ کلام   گر لکھوں نعتِ سرورِ جمہور

---

[8] عندلیب نیشاپور سے مراد نظیری ہے۔ لیکن اگر وہ ہوتا تو اس سے زیادہ اور کیا قدر کرتا جیسا کہ شیخ علی حزیں نے سودا کی نسبت کہا تھا کہ در پوچ گویان ہند غنیمت ست ۱۲

وہ شہنشاہ۔ اُمّتی جس کا
یہاں گنہگار اور وہاں مغفور

وہ خداوند۔ خدمتی جس کا
یہاں سبکسار اور وہاں مأجور

مژدہ اے اُمّتِ ضعیف کہ یہاں
سعی ہوتی ہے بے کیے مشکور

لبِ شیریں کلام سے اُس کے
دوست بھی شاد غیر بھی مسرور

اثرِ فیضِ عام سے اُس کے
کعبہ آباد و میکدہ معمور

چرخ کو دے اگر وہ حکمِ سکوں
ہو غلط نسخۂ سنین و شہور

صرصرِ قہر گر چلے اُس کی
بند ہو مسلکِ صبا و دبور

جس طرف ہو وہ گرم نظّارہ
جلوہ گر ہو اُدھر سے لمعۂ طور

ہو جہاں لطف سے وہ سایہ فگن
موجزن ہو وہاں سے چشمۂ نور

بات پوچھو تو سوئے چرخ نگاہ
سینہ دیکھو تو علم کا گنجور

ہو سکے اُسکی خوبیوں کا شمار
نعمتیں حق کی ہوں اگر محصور

اے ترا پایہ فہم سے برتر
اے ترا نام عرش پر مسطور

میں ترے در پہ سُن کے آیا ہوں
نام تیرا شفیعِ روزِ نشور

کچھ نہیں زادِ راہ پاس اپنے
مگر اُمیدِ عفوِ ربِّ غفور

طبع غالب ہی اور میں مغلوب
نفس قاہر ہے اور میں مقہور

بحرِ غفلت میں ہوں سراسر غرق
نشۂ کبر میں ہوں بالکل چور

چھوٹتی ہی نہیں خودی دامن
ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور

مہرِ فرزند و خواہشِ زر و سیم   طمعِ جاہ و فکرِ عیش و سرور
ایک بیمار اور سو آزار   ایک رنجور اور سو ناسور
نفسِ امّارہ اور دیوِ مَرِید   یہ ہے افعی تو وہ ہے کلبِ عَقُور
مجھ سے جو کام چاہیئے لیجے   جھُوٹ ہو یا فریب ہو یا زُور
حَسَد و بغض و غیبت و بُہتاں   بُخل و حرص و ہوا و فسق و فجور
ایک جو مجھ سے بَن نہیں آتی   ہے وہ خدمت کہ جس پہ ہوں مامور
دل لگے بندگی میں کیا امکاں   لب ہلے ذکرِ حق میں کیا مذکور
مایۂ عقل ہے نہ شورِ جنوں   دلِ بیتاب ہے نہ جانِ صبور
نہ معاصی میں تلخیٔ خجلت   نہ عبادت میں چاشنیِ حضور
فی المثل ہے مری مُسلمانی   جیسے زنگی کا نام ہو کافور
ہاں مگر کچھ امید بندھتی ہے   تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
جب ترے کارواں میں جا پہُنچا   پھر رہا بابِ خُلد کتنی دور
دوریِ آستان والا سے   ہے بہت تنگ حالی مہجور
اب دعا یہ ہے اے شفیعِ اُمَم   بسکہ بیتاب ہے دلِ رنجور
جا لگے تیرے در پہ کشتیِ عمر   جب کروں بحرِ زندگی سے عبُور

جیتے جی دل میں یاد ہو تیری
مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور

۴ قصیدۂ[8] مدحیہ ناتمام

نواب کلب علی خاں مرحوم رئیس رام پور کی شان میں

ظلِ حق **کلب علیخاں** جسکے بذل و جود پر
ہند سے لے تا عرب ہیں خاصی و عامی گوا

صاحبِ علم و عمل اور تابعِ احکامِ دیں
زائرِ قبرِ نبیؐ اور حاجیِ بیت الہدٰے

شاعری میں فردِ موسیقی میں فارابیِ عصر
صوت روح افزا و صورت آیۂ صنعِ خدا

دولتِ برطانیہ پر اُس کی فرزندی کا حق
دولتِ عثمانیہ کو اُس سے پیوندِ وِلا

اُسکی ہیبت سے لرزتے ہیں مقرب اور جلیس
اور مروت پر ہیں نازاں مجرم و اہلِ خطا

قطعہ

مرجعِ اربابِ علم و فن ہے اُسکا بابِ فیض ۱
یہ وہ دعوٰی ہے کہ خود دربار ہے اسکا گوا

گلزمینِ ہند میں تھے جو درختِ باردار ۲
اُن کو چُن چُن کر یہاں لایا چمن بندِ سخا

گر مناظر ہیں تو ہیں سر دفترِ اہلِ کلام ۳
اور محدث ہیں تو ہیں سرچشمۂ علم و ہدٰے

زمرۂ اہلِ یقیں یا مجمعِ اہلِ سلوک ۴
نکتہ چینانِ مجسطی خردہ گیرانِ شفا

شاعرِ شیریں نفس یا شاطرِ سنجیدہ رائے ۵
فیلسوفِ مستدل یا عارفِ علت رُبا

بے بدل ہے الغرض جو روپ ہے اِس باغ میں ۶
بلبلِ جادو نوا ہو یا گلِ رنگیں ادا

---

[8] یہ قصیدہ ۱۲۹۱ھ میں اُس وقت لکھا گیا تھا جبکہ نواب ممدوح علی گڈھ کے مدرسۃ العلوم کا پیٹرن ہونا منظور کر چکے تھے اور بارہ سو روپیہ سال کی جاگیر ہمیشہ کے لیئے مدرسہ کے اخراجات کے واسطے اور کئی ہزار روپیہ نقد بطور چندہ کے دے چکے تھے مگر مصلحتہً اُن کی خدمت میں بھیجا نہیں گیا اور اسی لیئے ناتمام رہا۔ اسکے اول و آخر کے کچھ اشعار ضائع بھی ہوگئے ہیں ۱۲

بہرہ ور ہیں فیض سے تیرے بلادِ دور و دست   اے خوشا وہ سرزمیں جسپر ہو تو فرماں روا
بارِ محصولات سے یہانتک ہوئی ہلکی کہ اب   بارِ منت سے ترے پشتِ رعیت ہے دوتا
خیر تیری۔ ہے حصارِ عافیت تیرے لیئے   سیر ہو کر تجھکو دیتے ہیں بہت بھوکے دعا
نعمتیں حق کی نہ سمٹینگی سمیٹی زینہار   ہر بھلائی کی ملی وہ چند گر تجھکو جزا
خوانِ نعمت پر ہے تیرے میہمانوں کا ہجوم   نام پھر زندہ ہوا خوانِ خلیل اللہ کا
ہے یقیں تجھپر پڑے اصحاب محشر کی نگاہ   جب کہیں۔ کسنے کیا حق میزبانی کا ادا
دولتِ و اقبالِ روز افزوں سے تیرے ہے عیاں   جو کہ حامی قوم کے ہیں اُن کا حامی ہے خدا
پرورش پاتی تھی جنکے سایۂ دولت میں قوم   لے گئی اُن کو بہا کر موجِ سیلابِ فنا
کچھ گھرانے رہ گئے ہیں جو کہ آتے ہیں نظر   ہند میں اب تکیہ گاہِ امّتِ خیر الورٰے
یہ اگر بنتے نہ کشتیبان اِس طوفان میں   کشتیٔ اسلام تھی منجدھار میں بے ناخدا
رہ گئی تیری خریداری سے شرمِ اہلِ فضل   ورنہ اُن کی جنس کا گاہک یہاں کوئی نہ تھا
رل گئے تھے گوہرِ دُرجِ شرافت خاک میں   خاک سے تو نے اُٹھایا اُن کو اور بخشی جلا
ہو رہے تھے دودمانِ علم و دولت جاں بلب   تو نے ایک اک کے چُوایا حلق میں آبِ بقا
کُول میں پودا لگا ہے جو پئے تہذیبِ قوم   آبیاری سے ہے تیری ہی اُسے نشو و نما
ہے یہ وہ احسان جسکے بارِ منت سے کبھی   قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے روے وریا
تیرے ظلِّ تربیت میں گر رہا یہ نونہال   ہے یقیں پھیلیں گی شاخیں اسکی طوبیٰ سے سوا
فرض اگر کیجے اسے دیوارِ کاخِ آرزو   تو وہ پشتیباں ہے جس سے اُسکی قائم ہے بنا

اور اگر کہیئے کہ ہے یہ قوم کی کشتِ مراد
تو ہے اُسپر ابرِ رحمت کی طرح چھایا ہوا

۵۔ قصیدۂ ناتمام مرقومہ سنہ ۱۲۹۴ ہجری

سر سید احمد خاں دام بقاؤہم کی شان میں

پنہاں نہیں ہے یارو سب پر کھلا ہوا ہے
جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے
ہی اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم
خود سانپ رہ یہاں سے کب کا نکل گیا ہے
اسپر بھی اے عزیزو۔ ہے جائے فخر تمکو
دینوں میں دین بیضا حق نے تمھیں دیا ہے
قبلہ ہے وہ تمھارا جو گھر ہے سب سے پہلا
ہادی ہے وہ تمھارا جو ختم انبیا ہے
دی ہے وہ مُصلحِ کُل حق نے کتاب تمکو
جسنے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے
بخشی تمھیں حکومت حکمت تمھیں عطا کی
دَوراں سدا موافق تمسے یونہیں رہا ہے
اِس دورِ آخری میں جب یوں بگڑ چلے تم
اک ہاشمی تمھارا مصلح کھڑا کیا ہے
سر سبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں
فتووں سے قوم کے گو کافر ٹھہر چکا ہے
وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا
یاروں پہ جسنے سب کچھ قربان کر دیا ہے
وار اُسپہ قوم کے ہیں۔ وہ قوم کی سپر ہے
قوم اُس سے بدگُماں ہے۔ وہ قوم پر فدا ہے
درہم سے اور قلم سے۔ دم سے قدم سے اپنے
جو کچھ کیا ہے اُسنے وہ کس سے ہو سکا ہے

۵۔ یہ قصیدہ اُس وقت لکھنا شروع کیا گیا تھا جب کہ مدرسۃ العلوم کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن اپنے ہاتھ سے رکھ چکے تھے اور سرسید کے کام تعجب کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے۔ مگر بسبب مکروہات دنیوی کے پورا نہ ہوسکا ۱۲

ہمدردِ قوم ایسا ہمنے سُنا نہ دیکھا
یہ درد اُسکو جدکی میراث میں ملا ہے
تعلیم کی تمھاری بنیاد اُسنے ڈالی
ملکوں میں جسکا چرچا ہر سمت ہو رہا ہے
بعد از قرونِ اولیٰ کسنے کیا بتاؤ
سیّد نے کام اگر جو قوم میں کیا ہے

۶۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۳ ہجری

مرثیہ مہیں برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

کل سوگ میں بھائی کے اُسے دیکھکے چُپ چُپ
حالی سے کہا ہمنے کہ اے بحرِ معانی
خاموش کبھی ہمنے تجھے یوں نہیں دیکھا
کیا ہو گئی وہ تیری طبیعت کی روانی
شادی میں تری تہنیتیں ہمنے سُنی ہیں
ماتم میں بھی دیکھی ہے تری مرثیہ خوانی
ہنسنا ہے نہ رونا ہے نہ نالہ ہے نہ نوحہ
کچھ کہہ تو سہی دل میں یہ کیا تونے ہی ٹھانی
دنیا ہے یہ اک دارِ فنا۔ جس کا۔ اثاثہ
سب خاک سے تا انجم و افلاک ہے فانی
ہو جائے گر انساں یونہیں ہر رنج میں خاموش
کس طرح دلوں کے ہوں عیاں رازِ نہانی
اک آہ بھری سُن کے یہ **حالی** نے کہ جس سے
دل ہل گئے اور سب کے لہو ہو گئے پانی
فرمایا کہ موجوں سے بھنور کی نہیں آگاہ
ساحل پہ ہیں جو راہ سپرِ قاصی و دانی
حالی ہی کو معلوم ہے **حالی** کی حقیقت
مشکل ہے کہ سمجھے دل کی عزیزوں کو کہانی
آتے ہیں سدا بھائیوں سے بھائی بچھڑتے
موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کو آنی
پر بھائی ہو جس شخص کا **حالی** کا سا بھائی
غم بھائی کا مرجانے کی ہے اُسکے نشانی

جس بھائی نے بیٹوں کیطرح بھائی کو پالا   سوکھی ہوئی کھیتی ہیں دیا باپ کی پانی
جس بھائی کی آغوش میں ہوش اُس نے سنبھالا   جس بھائی کے سایہ میں کٹی اُسکی جوانی
شفقت نے دیا جسکی بھلا مہرِ پدر کو   دی آنے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرانی
جیتا بھی رہا بھائی گر اُس بھائی کے پیچھے   لذت نہیں جینے سے نصیب اُسکو اُٹھانی
دل مردہ ہو حالی کی طرح جسکا عزیزو   کیا ڈھونڈھتے ہو اُسکی طبیعت میں روانی
یہ چُپ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اللہ   یہ چپ نہیں مرجانے کی ہے دل کے نشانی
بولیں گے بھی سو بار ہنسیں گے بھی جہاں میں   یہ ناؤ ہے ہر طرح ہمیں پار لنگھانی
پر آہ۔ کلی وہ جو ہے مُرجھا گئی دل کی   مشکل ہے وہ ہنس بول کے آپس میں کھلانی
باقی رہے گا داغ سدا بھائی کا دل پر   ہر چند کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی ہیں فانی

۷۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۵ ہجری

بجناب نواب سر آسماں جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

آسماں جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی ہے عرض   کہ اگر میرا ہر اک رونگٹا ہو جائے زباں
شکر ممکن نہیں اِس کا کہ مجھے گھر بیٹھے   اُس نے ممتاز کیا بھیجکے شاہی فرماں
نہ ہوئی مجھسے کوئی خدمتِ سرکارِ نظام   نہ کیا میں نے کبھی طوفِ درِ صدرِ زماں
نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لائقِ قدر   اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہو قیمت میں گراں
حق نہ تھا دولتِ عالی پہ کوئی حالی کا   جسکے جلدو میں وہ اس لطف کا ہوتا شایاں

ہاں مگر ذات میں ہے فیض رسانی جن کی   ڈھونڈ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احساں
ہیں مربی ہنر و بے ہنری کے جسطرح   خار و گل دونو کو کرتا ہے نہال آب رواں
آسماں جاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گزار   ملک میں اُسکا ثنا خواں ہے ہر اک پیر و جواں
یہاں وہ اُن کھیتیوں کو دیکے گیا ہی پانی   آنکھ اسلام کی خود جن کی طرف ہے نگراں
قوم اِسوقت ہی تعلیم کی جتنی محتاج   ہے وہ عالم پہ ہویدا۔ نہیں محتاج بیاں
عزت۔ آسودگی اور ملت و مذہب اُن کا   ہو نہ تعلیم تو ہیں سب کوئی دن کے مہماں
پھر نہ قدر اُنکی کچھ آنکھوں میں خلایق کی بلند   اور نہ وزن اُن کا ترازو میں حکومت کی گراں
آسماں جاہ پہ برکت ہو خدا کی جس نے   درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہے درماں
مدرسے قوم کے اِس ملک میں جو ہیں ممتاز   جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشاں
اُن کی امداد سے نواب نے کی ہے قائم   چشمِ عالم میں مسیحائی پہ اپنی بُرہاں
کرتے ہیں زندۂ جاوید بنی نوع کو۔ جو   بذل کرتے ہیں پئے تربیتِ اہلِ زماں
ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی۔ جس کا   ملک پر قوم پہ تا دیر رہے گا احساں
یہی بخشش ہے یہی جود ہے راس الحسنات   جس پہ موقوف ہے بہبودیِ نسلِ انساں
یہی امداد ہے جس سے ہوئیں قومیں سرسبز   یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے ملک آباداں
یہی قوت ہے کہ ہوتے ہیں قوی جس سے ضعیف   یہی حکمت ہے کہ ہوتے ہیں سبک جس سے گراں
دی لگا ایک نے پانی کی سرِ راہ سبیل   کی ہمیشہ کے لیئے ایک نے وھاں نہر رواں
اُس کی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پیاسے سیراب   اِس نے چاہا کہ رہے پیاس کا باقی نہ نشاں

برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں   نہرِ جاری سے ہے ذات انکی سوا فیض رساں
بخت اُس ملک کے جس ملک میں ایسا ہو وزیر   حامیِ علم و ہنر یارِ کمالِ انساں
اب خدا سے یہ دعا ہے کہ جہاں میں جبتک   شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احساں
آسماں جاہ سے ہو تقویت ملک **دکن**   اور رہے ملک **دکن** ملجا و ماوائے جہاں
دولتِ **قیصری** و دولتِ **آصفجاہی**   ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیباں

۸۔ قصیدہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۶ ہجری

تہنیت عید الفطر۔ بہ جناب نواب سر آسماں جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

مہِ صیام گیا اور روزِ عید آیا   خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بجا لایا
گیا خدا کا ادا شکر روزہ داروں نے   کہ اپنے صبر کا انعام ہمنے بھر پایا
رہینِ منتِ ساقی ہیں بادہ خوار تمام   کہ تیس ۳۰ روز کے پیاسوں کا روزہ کھلوایا
گئے ہیں ایسے مساجد سے معتکف خوش خوش   کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا
شگفتہ آتے ہیں اسطرح عیدگاہ سے لوگ   کہ گنج اُنھوں نے ہے گویا خرابہ میں پایا
حسینِ چاؤ میں پھولے نہیں سماتے آج   کہ دن خدا نے نمائش کا اُن کو دکھلایا
عزیز و دوست گلے ملتے پھرتے ہیں باہم   خدا نے سیکڑوں روٹھوں کو آج منوایا
حکیم ہیں متفکر نہ زاہد افسردہ   خوشی نے دی ہے زمانہ کی کچھ پلٹ کایا
غنی ہیں شال میں مست اور گدا ہیں کھال میں مست   ہے ایک خوان سے منعم نے سب کو چکھوایا

اُدھر ہے فصلِ بہار اور ادھر ہے عید الفطر　　سماں نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا
کھلے ہیں اُسکے عوض دشت میں کروڑوں پھول　　جو غم سے شہر میں آج ایک دل ہے کُملایا
ہزاروں سرو خراماں ہیں شہر میں ہر سو　　جو دشت میں کوئی پودا ہے آج مُرجھایا
اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم　　تو سمجھو غم کا عوض غم زدوں نے بھر پایا
مگر یہ عاریتی انبساط ہے سب ہیچ　　اس انبساط پہ غافل ہے جو کہ اِترایا
فریفتہ ہوئے جو ایسی ایسی خوشیوں پر　　اُنھوں نے آب کا دھوکا سراب پر کھایا
خوشی ہے جس سے عبارت وہ ہے خوشی اُنکی　　جنھوں نے خلق میں ذکرِ جمیل پھیلایا
جنھوں نے دین کے گرتے ستون کو تھاما　　جنھوں نے علم کا بجھتا چراغ اُکسایا
جنھوں نے مُلک کے امراض کو کیا تشخیص　　جنھوں نے قوم کے افسردہ دل کو گرمایا
جنھوں نے خُلق سے اپنا بنایا غیروں کو　　جنھوں نے لطف سے وحشی دلونکو پرچایا
خبر مریضوں کی لی جاہلوں کو دی تعلیم　　کھلایا بھوکوں کو بے پوششوں کو پہنایا
ہوا زمین پہ جس سال آسماں مُمسِک　　مینہ اپنی داد و دہش کا اُنھوں نے برسایا
ہوائے دہر اگر ہو گئی کبھی فاسد　　فضائے دہر کو خُلقِ حسن سے مہکایا
سدا غریبوں کی امداد پر ہیں جو تیار　　لیا سنبھال اُسے جس نے ہاتھ پکڑایا
ہمیشہ مانگنے والوں کو بے دریغ دیا　　نہ مانگ سکتے تھے جو اُنکے گھر پہ پہنچایا
نہ سمجھا آپ کو اک پاسبان سے بڑھکر　　اُنھوں نے لطفِ حکومت اِسی میں کچھ پایا
نہ پائی کھانے میں لذت نہ چین سے سوئے　　ستم رسیدہ کا جب تک کہ حق نہ دلوایا

وغا میں شیر مگر وقتِ رحم مورِ ضعیف
کسی کی آہ سُنی اور دل اُن کا بھر آیا
وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا تاراج
جو شاہراہ میں پتّا کسی نے کھڑکایا
وہ چونک اُٹھے کہ گویا قیامت آپہنچی
جو در پہ آکے کوئی دادخواہ چلّایا
نشاط و عشرتِ جاوید کی ہے اُنکو نوید
دل ایسا جنکو عنایت خدا نے فرمایا
سُنا تھا کان سے جو ذکرِ خیر عہدِ سلف
سو آنکھ سے وہ **وزیرِ دکن** نے دکھلایا
بشیرِ دولت و دیں صدرِ **اعظمِ اُمرا**
نہیں ہے جسکا کوئی قربِ شہ میں ہمپایہ
جو ظلِّ حق ہے رعیت کے سر پہ **شاہِ دکن**
تو **اعظم الاُمَرا** ظلِّ حق کا ہے سایہ
ہمیشہ جسکو ہے بہبودِ ملک مدِّ نظر
رفاہ و امن ممالک میں جسنے پھیلایا
اُٹھایا فتنہ نے جب سر فرو کیا اُسکو
پڑا عمل میں جہاں عقدہ اُسکو سُلجھایا
بنائے نظم و نسق جسنے رکھی شوریٰ پر
مشیرِ کار خرد پروروں کو ٹھیرایا
دکن کو جسنے کیا مرجعِ خواص و عوام
دکن کا جسنے کہ ڈنکا جہاں میں بجوایا
نہ کوئی ملک میں سرکش رہا نہ نافرماں
جفا و ظلم کو توڑا غرور کو ڈھایا
بل انتظام کے رشتہ میں پڑ رہے تھے بہت
سو تکلے کی طرح ایک ایک بل نکلوایا
لگا گئے تھے وزیرانِ رفتہ جو پودا
وہ صاحبی میں وزیرِ زماں کی پھل لایا
ترقی اب یہ تمدن میں کی ہے **بلدہ** نے
کہ اپنی حالتِ پیشیں سے خود ہی شرمایا
زمانِ حال سے ماضی کو دیجے کیا نسبت
اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا
خدا دراز کرے عمرِ **اعظم الاُمَرا**
دکن کو جسکی حکومت نے دن یہ دکھلایا

زمیں پہ سایہ فگن جب تک آسمان رہے
رہے دکن پہ حضورِ نظام کا سایہ

تھی کوئی چیز نہ حالی کے پاس لائقِ نذر
سو یہ چکامۂ ناچیز پیشکش لایا

یہی بس اُسکے لیئے ہوگا مایۂ نازش
جو اعظم الامرا نے قبول فرمایا

۹ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۸ ہجری

تہنیت ولادت فرزند ارجمند در شبستان اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

فیضِ رب ذوالمنن سے۔ مژدہ اے اہلِ دکن
نائبِ دولت کا نخلِ آرزو برلایا ثمر

دی بشیرِ دولت و دیں کو وہ چیز اللہ نے
جس سے پایا دیدۂ یعقوب نے نورِ بصر

جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
حق نے دی جسکے عطا ہونے کی سارا کو خبر

جسکے ملنے سے ہوا آدم ممنونِ قضا
جسکے پانے سے ہوا ایوب مرہونِ قدر

جسکے بدلہ میں علی الرغمِ شماتت پیشگاں
حق سے ختم الانبیا نے پائے شبیر و شبر

جو بضاعت ہے گدا کی اور دولت شاہ کی
جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر

جس سے مستغنی ولی ہیں اور نہ عارف بے نیاز
جس سے ہیں اجداد زندہ اور اماجد نامور

صدرِ اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف
خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر

یہ پسر یارب بحقِ عترتِ خیر الورے
پائے عمرِ خضر زیرِ سایۂ مہرِ پدر

صدرِ اعظم کیطرح دربارِ آصف جاہ میں
جایگاہِ قربِ سلطانی ہو اُس کا مستقر

دولت و ثروت کو اُسکی ذات سے لگ جائے شان
زیورِ علم و ادب سے ہو مُحلّٰی اس قدر

سیرت و عادت میں اُس کی نکلے آن اجداد کی
جوہر اخلاق فاروقی[8] ہوں اُسمیں جلوہ گر

ملک آصف جاہ میں سر آسماں جاہ اور وہ
رات دن رکھیں اُجالا صورتِ شمس و قمر

۱۰۔ قصیدہ[ہ] مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ ہجری

اے صفر کی دوسری۔ روزِ دوشنبہ مرحبا
ہم نہ بھولینگے کبھی وہ تیری صبحِ جانفزا

ہمنے رکھا آکے جب بلدہ کی سرحد میں قدم
پھر گیا آنکھوں کے آگے اپنی اک عالم نیا

عزتِ قومی۔ ترستی تھیں سدا آنکھیں جسے
اُسکے کچھ آثار دیکھے ہمنے یہاں شکرِ خدا

کھوج میں جس فخر کے پھرتے تھے اک مدت سے ہم
آکے بلدہ کے سوانہ میں لگا اُس کا پتا

بھیک کو نکلے تھے گھر سے کچھ بھکاری قوم کے
جھولیاں ڈالے گلے میں دربدر دیتے صدا

پہنچے لینے اُن کو وہ اعیان دار الملک سے
دولتِ عالی کو جن کی ذات پر ہے اتکا

قوم کو ہے جنپہ فخر اور ملک کو ہے جنپہ ناز
سلطنت کے جو ہیں اعضا اور وزارت کے قوے

صدرِ اعظم نے ہمیں بخشا اقامت کے لیئے
یعنی مدار المہام ۱۲
وہ سرابستاں خجل ہو جس سے جنّت کی فضا

ہم غریبوں کو سمجھکر اک سفارت قوم کی
دی وہ عزت شکر جسکا ہو نہیں سکتا ادا

پیشتر مہماں نوازی کا فقط سنتے تھے نام
آکے یہاں سمجھے کہ ہے مہماں نوازی چیز کیا

---

[8] اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسماں جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں ۱۲

[ہ] یہ قصیدہ ماہ ستمبر سنہ ۱۸۹۱ء مطابق صفر سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں بمقام حیدر آباد دکن جب کہ ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر مع اکثر رفقا کے جن میں سے ایک راقم بھی تھا بطور ڈیپوٹیشن کے محمڈن کالج علی گڈھ کی طرف سے حضور سرکار نظام میں حاضر ہوئے تھے ایک جلسۂ عام میں پڑھا گیا تھا۔ جسکے صدر انجمن جناب نواب وقار الامراء بہادر تھے ۱۲ حالی

کی ہے نواب **اقتدار الملک** نے جو مرحمت   اُسنے کلفت کو سفر کے دل سے بالکل دھو دیا
یہ مقولہ ہند میں مدت سے ہے ضرب المثل   جو کہ جا پہنچا دکن میں۔ بس وہیں کا ہو رہا
ہے دکن کی وہ یہی شاید مسافر پروری   جو دکن میں آکے دیتی ہے وطن دل سے بھلا
وارثِ ملکِ دکن ہے آج وہ **محبوب خلق**   نام پر دیتا ہے جسکے جان ہر چھوٹا بڑا
ہم کہ ہیں **وکٹوریا** کے مہدِ رافت میں پلے   امن و آزادی کی ہمنے کھائی ہے برسوں ہوا
جانتے ہیں ہم کہ پلتی ہے رعیّت کسطرح   کسطرح ہوتے ہیں مقبولِ جہاں فرمانروا
کرتے ہیں کس منتر اور افسوں سے تسخیرِ قلوب   کسطرح بوتے ہیں دل میں خلق کے تخمِ وفا
کرلیا محکوم کے دل میں اگر حاکم نے گھر   تو یہ سمجھو حق حکومت کا کیا اُس نے ادا
ہے یہی شاہِ دکن کی گلہ بانی کی دلیل   گلہ اپنے گلہ باں پر جان و دل سے ہے فدا
پوچھنے گچھنے کی اہل ملک سے حاجت نہیں   اُن کی خوشحالی پہ اُن کی تازہ روئی ہے گوا
دیکھتے آئے تھے جیسے راہ میں ہم سبزہ زار   خلق کو سرسبز دیکھا آکے یہاں اُنسے سوا
راہ میں دیکھے تھے ہمنے کوہ اگر گردوں شکوہ   آکے دارالملک میں دیکھے محل گردوں نُما[8]
عاملوں کی سخت گیری سے ہیں سب آزاد یہاں   بینوا سے مُنعِم اور مُنعِم سے بڑھکر بے نوا
اغنیا میں ہم وہ استغنا نہیں پاتے کہیں   جیسا بے پروا نظر آتا ہے یہاں ایک اک گدا
جتنی یہاں قومیں ہیں سب رکھتی ہیں باہم میل جول   بے تعصُّب بے تکلُّف بے تصنُّع بے ریا
ایک کے تہوار میں بے عذر ہیں سارے شریک   ایک کی تقریب میں ہمدم ہیں سب اور ہم نوا

---

[8] یہ اشارہ ہے اُس محل کی طرف جو کہ نواب وقار الامرا بہادر نے بلدہ حیدرآباد کے باہر جانب جنوب پہاڑ پر زرِ خطیر صرف کر کے اپنے رہنے کے لیے بنوایا ہے اور اُسکا نام فلک نُما رکھا ہے ۱۲

دولتِ عالی نے حق سب کو برابر ہیں دیئے   ایک پر ترجیح کچھ رکھتا نہیں یہاں دوسرا
پارسی ہندو مسلماں یا مسیحی کوئی ہو   ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا
ہمکو یہاں کہنا تھا کچھ اور کہہ گئے بھولے سے کچھ   رہگذر کی سیر نے منزل سے غافل کر دیا
قصہ کوتہ ۔ بار جب ہمکو ملا دربار میں   کہہ نہیں سکتے کہ بیداری تھی وہ یا خواب تھا
دیکھکر اپنی رسائی تختِ آصف جاہ تک   واقعہ مور اور سُلیماں کا ہمیں یاد آگیا
حضرتِ والا نے جس شفقت سے کیں نذریں قبول   اسپہ گر جاں اپنی ہم قرباں کریں تو ہے بجا
جس توجہ سے سُنی رودادِ قومی درسگاہ   شکر سے اُسکے نہیں ہو سکتے ہم عُہدہ برآ
جب سے کالج کی علیگڈھ میں بنا ڈالی گئی   دولتِ عالی ۔ مدد کرتی رہی اُس کی سدا
جو لگایا تھا درخت اُس کی ہمیشہ لی خبر   دمبدم پانی دیا یہاں تک کہ بار آور ہوا
اب ۔ کہ وقت آکر پڑا تھا بانیِ کالج پہ سخت   دولتِ عالی نے شرطِ دستگیری کی ادا
مشکلیں جس طرح کی تھیں قوم کی اوّل حل   کی اُسی دریا دلی سے اُن کی پھر حاجت روا
خود علی گڈھ کالج اور اُس کے در و دیوار سب   راگ گائیں گے سدا احسانِ آصف جاہ کا
ہند میں باقی ہیں نسلیں جب تلک اسلام کی   جیتے جی ہوں گی نہ اُسکے طوقِ منت سے رہا
کی ہے سر سیّد نے جو کوشش فلاح قوم میں   اُس کو ہے اے اہلِ مجلس اک زمانہ جانتا
پر یہ سر سیّد سے بیڑا پار ہونا تھا مُحال   دولت عالی اگر بنتی نہ اُس کی ناخدا
تھا پڑا اس سیّد کا ۔ سچ پوچھو تو خشکی میں جہاز   دولتِ عالی نے اُس خُشکی میں گنگا دی بہا
ہے روایت ۔ جبکہ ہجرت کرکے ختم المرسلینؐ   پہنچے یثرب میں تو یہ ارشاد یاروں سے کیا

“جسطرح ہوتی ہے بانبی سانپ کی جائے پناہ   ہو گا ملجا اب مدینہ بھی یونہیں اسلام کا”
ہے بلا تشبیہ۔ دار الملک آصف جاہ بھی   ہند میں اب مرکزِ اسلام بے روو ریا
ذی لیاقت جتنے تھے ہندوستاں میں انتخاب   دولتِ عالی نے چُن چُن کر لیا سب کو بُلا
تربتیں اور خانقاہیں۔ مدرسے اور مسجدیں   سب کی ہوتی ہے مدد اس گھر سے بے چون و چرا
حجِ بیت اللہ سے۔ جو ہر مُسلماں پر ہے فرض   ہے دکن آنا مقدم۔ شک نہیں اس میں ذرا
اول آنا چاہیئے یہاں استطاعت کے لیئے   کیونکہ ہے بے استطاعت حج کو جانا۔ ناروا
خرچ سے ہاتھ اک مُسلماں کا ہو گر اُتنا میں تنگ   ہے دکن کی سمت وہ گردن اُٹھا کر دیکھتا
خواب آتے ہیں دکن کے اُسکو سوتے میں نظر   قوم کا بچہ مڈل سے جب ذرا آگے بڑھا
ہند میں کرتے ہیں کوشش جو رفاہِ خلق میں   اور مدد کو جن کی وھاں حاضر ہے ہر چھوٹا بڑا
چلتے چلتے اُن کی گاڑی بھی اٹک جاتی ہی جب   کھینچنے کو اُسکے جاتا ہے یہیں سے بینڈیا 8
ہے دکن کی اور مُسلمانوں کی یاں وہ مثال   اک سمندر ہے کہ ہر سو جس میں ہے طوفاں بپا
تھا جہاز اک اُسمیں معمور اہلِ فضل و جاہ سے   لطمۂ امواج نے پُرزے دیئے اُسکے اُڑا
ڈوبنے والے تھے جو وہ ڈوب کر اُچھلے نہ پھر   بچ رہے ہیں جو وہ ہر سو مارتے ہیں دست و پا
کوئی کشتی یا جہاز آتا نہیں اُن کو نظر   اُس محیطِ بیکراں میں ایک زورق کے سوا
ہے وہ زورق فی المثل سرکار آصف جاہ کی   ہے مُسلمانوں کو اب لے دے کے جسکا آسرا
ہے دعا۔ جبوقت تک پانی سمندر میں رہے   یارب اس زورق کو تو موجِ حوادث سے بچا

---

8 جب گاڑی یا چھکڑا بیلوں سے نہیں کھچ سکتا تو بیلوں کی جوڑی کے آگے تیسرا بیل لگا دیتے ہیں اُسکو بینڈیا کہتے ہیں ۱۲

ختم کر حالی سپاسِ صدرِ اعظم پر سخن   بال بال اپنا ہے جسکے شکر میں جکڑا ہوا
تقویت سے جس کی ہر مشکل ہماری حل ہوئی   انجمن کے منعقد ہونے کی دی جسنے رضا
پھر ادا کر جان و دل سے شکرِ صدرِ انجمن   جسکے قدموں میں یہ زیبا ہے کہ دیں آنکھیں بچھا
جسنے قومی انجمن میں بن کے صدرِ انجمن   قوم کو دی عزت اور اُنکی اُمیدیں دیں بڑھا
لیکے اذنِ صدرِ مجلس کیجیے پھر قصدِ وطن   ورنہ ہے حالی دکن کی دلفریب آب و ہوا
باندھ لیجے جلد اب رختِ سفر ڈر ہے کہ ساتھ   قافلہ سے چھٹ نہ جائے قافلہ سالار کا

۱۱۔ قطعہ[8] مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ ہجری

بمقام حیدرآباد دکن

یہاں بلا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے   اول اُسکا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد ازیں
خدمتِ والا میں ہیں اک عرض کرنی چاہتے   عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال ابنائے دہر   جو لیاقت اُسمیں ہے درکار وہ ہم میں نہیں
شکر کرنا تھا ہمیں سرکارِ عالی کا ضرور   چند نظمیں انجمن میں اسلیئے ہمنے پڑھیں
گرچہ کی ہے کوشش ان نظموں کے لکھنے میں بہت   اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں

---

[8] سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں جو راقم اور مولٰنا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگانِ قوم آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے ہمراہ علیگڈھ محمڈن کالج کی طرف سے بطور ڈپوٹیشن کے حیدرآباد دکن میں بحضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اُس موقع پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب وقارالامرا بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا جسمیں راقم نے اور مولٰنا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار عالی کے شکریہ میں پڑھی تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھکو اور مولٰنا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لیئے دولتخانہ پر طلب فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اُسیوقت موزوں کیا گیا تھا راقم نے پڑھا تھا ۱۲

رہ گیا پر ہم سے اِس کوشش میں باقی اک قصور
درگذر فرمائینگے سرکار اُس سے۔ ہے یقیں

اَور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں اِن میں۔ مگر
جھوٹ۔ جو اشعار کا زیور ہے وہ انمیں نہیں

۱۲۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ ہجری بمقام حیدر آباد

در شکر اضافۂ وظیفہ بہ پیشگاہ جناب نوّاب سر آسمان جاہ بہادر

اے بشیرِ دولت و دیں۔ نائبِ شاہِ دکن
اے مہمات دکن کا ذات پر تیری مدار

مجھ پہ فرمایا ہے جو لطف و کرم سرکار نے
شکر اُسکا کر نہیں سکتا ادا میں زینہار

جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ ور مقصود سے
پہلے ہو لیتے ہیں صدہا مشکلوں سے وہ دوچار

کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح
ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار

پر۔ ملا مقصود جب حالی کو اِس در سے ملا
بے تردُّد۔ بے تذلُّل۔ بے طلب۔ بے انتظار

قدردانی گر زمانہ میں یونہیں ہو جائے عام
پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب اُمیدوار

یارب اس سرکار کو۔ ہے جس سے عالم فیضیاب
جب تلک دنیا رہے دنیا میں رکھیو برقرار

۱۳۔ ترکیب بند مرتبہ سنہ ۱۸۹۱ عیسوی مطابق سنہ ۱۳۰۹ ہجری

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں بمقام علی گڑھ پڑھا گیا

شکر؎ اس نعمت کا یارب کر سکے کیونکر زباں
تو نے رکھا ہمکو یہاں فقر و غنا کے درمیاں

؎ اس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونوں کی حالت سے بہتر بتایا گیا ہے۔ متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سلف ہیلپ سے دولت عزت نیکنامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کرکے اپنے ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنےٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر نہیں بڑھ سکتے۔ اعلےٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کرنیکی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قایم رہنے کی فکر اور اُس سے تنزل کرنیکا کچھ انسداد نہیں کرتے ۱۲ حالی

جب ہوئے بھوکے تو بخشی تو نے نان و نانخورش   پر نہ اتنی۔ معدہ و احشا پہ جو گزرے گراں
جب ہوئے پیاسے تو بخشا آبِ شیریں اور خنک   پر نہ ایسا۔ ہو صراحی جس کی یاروں سے نہاں
ڈھانکنا چاہا بدن جب۔ تو دیا تو نے لباس   پر نہ ایسا۔ جس کو حسرت سے تکیں خرد و کلاں
کھانے پینے کو کیئے برتن ہمیں تو نے عطا   پر نہ ایسے۔ ٹوٹنے سے جنکے ہو خوف زیاں
سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں   پر نہ ایسا۔ جس سے اُٹھنا ہو طبیعت پر گراں
رہنے سہنے کو دیئے گھر تو نے ہمکو ہر جگہ   پر نہ ایسے۔ ہو تعلق جنسے مثلِ جسم و جاں
آنے جانے کو دیئے دو پانو بھیاں تو نے ہمیں   جنسے ڈر لے بھاگنے کا اور نہ گرنے کا گماں
راہ اور بے راہ یکساں جنکو ہنگامِ خرام   کوہ سدِّ راہ جنکا اور نہ خندق اور کُواں
کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر   پر نہ ایسی۔ تختِ فرعونی کا ہو جسپر گماں
سیم و زر وقتِ ضرورت ہمکو تو دیتا رہا   پر نہ اتنا۔ ہو نگہبانی میں جسکی بیم جاں
آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز   پر نہ ایسی۔ جس سے ہوں محسود ابنائے زماں
نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دیں   تا کہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہمپر عیاں
راحتیں اکثر میسر آئیں تکلیفوں کے بعد   تا کہ کھو بیٹھیں نہ ہم اُن راحتوں کو رایگاں

وقت پر کرتا رہا باراں رحمت سے نہال
قحط اور طوفان دونو سے بچایا بال بال

الحذر اُس فقر و ناداری سے سو بار الحذر   لومڑی جاتے ہیں بن جسکی بدولت شیرِ نر
چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیہ   ناکسوں کے ناز بیجا سہتے ہیں اہلِ ہنر

وزن میں علم و فضیلت جن کے ہے ہم سنگِ کوہ　　وہ سبک تر دانۂ خردل سے آتے ہیں نظر
فقر و حاجت میں نہو انساں کو جب صبر و شکیب　　پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے بتر
بھیک منگوائے جُوا کھلوائے یہ چوری کرائے　　پت گنوائے آبرو کھوئے پھرائے دربدر
ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی　　لے سکے محتاج جورو کی نہ بچوں کی خبر
گہ زباں آلودہ اُس کی شکوۂ تقدیر سے　　اور کبھی بوچھاڑ اُس کی آسمانِ پیر پر
گر بخیلوں کی مذمّت پر کبھی آجائے وہ　　ہو نہ سبّ و شتم سے سیری اُسے دو دو پہر
اُگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاقِ بزم تلخ　　کھول دے غیبت کا دفتر اہلِ دولت کی اگر
گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے　　تاکہ دولتمند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ گر
اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب　　تاکہ ہو جائیں بلند اور پست سب زیر و زبر
بے حلاوت اُسکی دنیا اور مذبذب اُسکا دیں　　خوفناک اُسکا ارادہ نیّت اُس کی پر خطر
رات اُسکی حسرت آگیں اور دن اندوہگیں　　شام اُس کی پُر نحوست اور شوم اُسکی سحر
گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا　　تھا۔ مگر ثروت میں اُس سے بھی زیادہ شور و شر

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہیں
پر نہ دی ثروت سو اسکے شکر کی طاقت نہیں

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا مُحال　　اِس مئے مرد آزما کی تھی بہت مشکل سنبھال
نفسِ امّارہ اور اُسپر چھیڑ مال و جاہ کی　　ڈھیر ہے بارود کا دیجے پتنگا جسمیں ڈال
بادِ صرصر آگ کو اسطرح بھڑکاتی نہیں　　جسطرح جذباتِ نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال

ہضم کرنا اور پچانا مال و دولت کا ہے بس
نفسِ انساں میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال

ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہاں آیا قدم
اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال

عقل ٹھیراتی ہے جو افعالِ انساں پر حرام
کر دیئے اُسکے لیئے سب مال و دولت نے حلال

فقر میں تھا نفسِ دوں واماندہ جس پرواز سے
آ کے ثروت نے دیئے پر واسطے اُسکے نکال

خواہشیں یوں نفس میں اب دمبدم بڑھنے لگیں
مغز میں جسطرح دیوانہ کے گوناگوں خیال

آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس
چیونٹوں میں ایک نے گویا نکالے پر و بال

مُسرفِ بے زر ہو جیسے قرضخواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اسطرح جکڑا ہوا ہے بال بال

جُھک پڑی طبعِ دنی گر بخل و خسّت کی طرف
ہوگئی فرزند و زن پر زندگی اُس کی وبال

اور اگر بھُوت اُسکے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قاروں کچھ آگے اُسکے مال

آگیا غالب طبیعت پر گر استسقائے حرص
ہے سمندر سے بھی اُس کی پیاس کا بجھنا مُحال

باڑ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اسقدر
جسقدر ثروت میں ہے دشوار پاسِ اعتدال

گلشنِ دولت کے ہوں انگور میٹھے بھی اگر

دیکھ اے روباہ نفسِ دوں حذر اُنسے حذر

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
فقر کی ذلّت سے اور ثروت کے فتنہ سے بری

چین ہے دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہے
یہ جو ہے برزخ میانِ مکنت و دستِ تہی

فقر و ثروت فی المثل ہوں دوزخ اور جنّت اگر
مانگتے ہیں ہم حذر دوزخ سے اور جنّت سے بھی

دخل شیطاں کا ہو جسمیں ایسی جنّت کو سلام
منزلِ اعراف سو بار ایسی جنّت سے بھلی

اِس کٹھن منزل میں ہے بَٹیا یہی اک بےخطر   ہیں اِدھر کھڈ اور چڑھائی ہے اُدھر البرز کی
رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالت بَین بَین   ہیں حسد اور کِبر کے امراضِ مُہلک سے بری
اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک   دیکھکر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل دہی
سُنکے ہو جاتے ہیں سیدھے وہ بڑوں کا فخر و ناز   مِلکے چھوٹوں سے بہک جاتا ہے گر خنّا کبھی
لذّتِ فقر و غنا دونو سے ہیں وہ آشنا   اغنیا میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی
جو گذرتی ہے گدا پر اُس سے ہیں وہ باخبر   کیونکہ حالت گاہ گاہ اُنپر بھی گذری ہے یہی
امتحاں دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہوئے   کیونکہ ہے ہر گھونٹ میں اس مے کے بدمستی وہی
اِس لیے جب دیکھتے ہیں عُسرتِ ابنائے جنس   جوشِ ہمدردی سے بیکل اُن کا ہو جاتا ہے جی
اور نہیں کرتے زبانِ طعن بے دردی سے وا   جب کہ سنتے ہیں کسی منعم کی از خود رفتگی
مست کی بے اختیاری تشنگی مخمور کی   واردات ایک ایک کی ہے سر بسر اُنپر کھُلی

جنّت اور دوزخ ہے سب اعرافیوں پر جلوہ گر
گندم اور زَقُّوم دونو اُنکے ہیں پیشِ نظر

دل توانا اور قوی یاروں کی ہمت اُنسے ہے   منتظم ہر قوم و ملّت کی جماعت اُنسے ہے
مشکلیں اکثر انھیں سے قوم کی ہوتی ہیں حل   بھائیوں کے بازوؤں میں زور و طاقت اُنسے ہے
ہے انھیں کے دم سے جو ہے گرمیِ ہنگامہ آج   ساری قومی مجلسوں کی زیب و زینت اُنسے ہے
ہے جہاں دولت یہی ہیں نظمِ دولت کے کفیل   ملک کی دولت میں ہی جو خیر و برکت اُنسے ہے
ہاتھ میں انکے ہیں جتنے عقل و دانش کے ہیں کام   عقل و دانش میں ہی جن ملکوں کی شہرت اُنسے ہے

ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہوں کے مشیر شاہ ہوں یا ہوں گدا دونو کو قوت انسے ہے
آدمیت سیکھتے ہیں انسے سب چھوٹے بڑے نوعِ انساں ہیں بقائے آدمیت انسے ہے
یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یہاں رونقِ بازارِ جنسِ علم و حکمت انسے ہے
پاؤگے انہیں طبیب انہیں ادیب انہیں خطیب ہے اگر انساں کو حیواں پر فضیلت انسے ہے
پاؤگے ان میں مہندس پاؤگے انہیں حکیم آدمی مصداق رحمانی خلافت انسے ہے
کرتے ہیں اخلاق ادنے اور اعلے انسے اخذ آدمی سب ہیں مگر انساں عبارت انسے ہے
ان میں قوموں کے ہیں مصلح انہیں ملکوں کے وکیل آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت انسے ہے
پھونکتے ہیں روحِ قومیت یہی افراد میں ہے جہاں قوموں میں یکرنگی و وحدت انسے ہے

دم سے ہے وابستہ انکے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

گر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر ہیں مفاسد گرد و پیش انکے فراہم سربسر
کھیلتی ہے جس طرح بتیس دانتوں میں زباں ہے انہیں بھی شر سے یہاں بچ بچ کے رہنا عمر بھر
گھاٹیاں فقر و غنا کی انکے ہیں دونو طرف اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر
ایک جانب پستیِ فطرت ہے اور دُوں ہمتی ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بطر
جھک پڑے گر اسطرف تو مُفت کھو بیٹھے اُنھیں وہ جو اُڑنے کے لیئے حق نے دیئے تھے بال و پر
ڈھل گئے گر اُسطرف تو اُس بلا میں پھنس گئے جسمیں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر
برکتیں اللہ کی اُس قوم پر جس قوم میں رہ سپر یہ طبقہ والا ہو سیدھی راہ پر

ہیں معطل اغنیا اور بے نوا کوتاہ دست   سب کی پڑتی ہے انھیں کے دست و بازو پر نظر
جو قویٰ اُن کو ملے ہیں کام میں لائیں اُنھیں   تاکہ زندوں کی طرح ہو زندگی ان کی بسر
فرض ہیں جو انکے ذمہ خالق اور مخلوق کے   اُن میں سرگرداں رہیں دیوانہ وار آٹھوں پہر
قوم ہو گر ناتواں تو تقویت بخشیں اُسے   کیونکہ اُسکے ضعف سے ہے ان کی قوت کو ضرر
گو نجات انساں کو مکروہاتِ دنیا سے نہیں   جیسے بچنا گوشت سے ناخن چھُٹانا ہے۔ مگر
کام دنیا میں سنوارے ہیں جنھوں نے قوم کے   تھے نکموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر
سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کے کام   اور دائیں سے مہمیں قوم کی کرتے تھے سر

جسطرح اس انجمن کے رُکن آئے ہیں تمام
قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

قوم کو ہے آس جس کی وہ جماعت ہے یہی   جس سے جان آتی ہے مُردوں میں وہ طاقت ہے یہی
اتفاق قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل   رائی کو کرتی ہے جو پربت وہ قوت ہے یہی
مال و دولت نامبارک ہے نہ ہو گر اتفاق   قوم جس دولت کی بھُوکی ہے وہ دولت ہے یہی
یہاں وکیل ایک اک ہی شہر اور ملک کا قایم مقام   دانہ کو کرتی ہے جو خرمن وہ برکت ہے یہی
رایگاں جائے گا یاروں کا نہ یہ رنجِ سفر   راحتیں جسکی طُفیلی ہیں وہ زحمت ہے یہی
فرد فرد آتے ہیں جو جاتے ہیں یہاں سے مجتمع   ملتے ہیں جس کی بدولت دل وہ ملت ہے یہی
تم ہمارے کام آؤ ہم تمھارے آئیں کام   جس سے کُل چلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہے یہی
قوم کی خدمت میں ہے مُضمر ربوبیت کی شاں   جو کہ پُجواتی ہے خادم کو وہ خدمت ہے یہی

قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز ملک میں عزت سے اب رہنے کی صورت ہے یہی
سال بھر رہتا ہے نقش اِس انجمن کا یادگار جو کبھی برہم نہیں ہوتی وہ صحبت ہے یہی
کر رہا ہے قوم کے سرکل کو یہ مجمع وسیع جزر سے افزوں ہے مد جسکا وہ رجعت ہے یہی
اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد ڈر نہیں اسکا کہ خود قانون قدرت ہے یہی
ہے کبھی افراطِ باراں اور کبھی ہے قحطِ آب طینتِ عالم میں خاصیّت ودیعت ہے یہی
کال ہے گر اِس برس تو ہے سماں اگلے برس جو خبر دیتی ہے کثرت کی وہ قلّ[illegible] ہے یہی
دیگ تو پکتے ہی پکّے گی دھیمی آنچ میں کچھ اُبال آیا تو ہے اُسمیں غنیمت ہے یہی

انجمن ہے قوم کی ہنگامہ شادی نہیں
ایک دن کا کام کچھ روما کی آبادی نہیں

۱۴۔ مسدّس مرثیہ سنہ ۱۳۱۰ ہجری

مرثیہ جناب حکیم محمود خاں مرحوم دہلوی

اے جہان آباد۔ اے اسلام کے دار العلوم اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دُھوم
تھے ہنرور تجھ میں اتنے۔ جتنے گردوں پر نجوم تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم
زیب دیتا تھا لقب تجھکو جہاں آباد کا
نام روشن تجھسے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علمِ دیں جیسے اُمّی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں

ہند میں جو تھا مُحدِّث تھا وہ تیرا خوشہ چیں   تھی محدّث خیز اے پاتخت تیری سرزمیں

تھا لقب قبہ بھی مسلّم تیری خاکِ پاک کا
بیہقیِ وقت تھا ایک اک فقیہ اِس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوّف میں کوئی تیرا نظیر   آب و گِل کا تیرے تھا گویا تصوّف سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مِہرِ مُنیر   تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مُستَنیر

آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اُس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم   آن کر اُسنے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم
جب کہ تو آباد تھا دنیا میں اے باغِ اِرم   بھرتے تھے تیرے اطبّا بھی مسیحائی کا دم

ہند میں جاری تجھی سے طب یونانی ہوئی
شہر شہر اس جنس کی یہاں تجھسے ارزانی ہوئی

خاک سے اُٹھّے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ وَر   اک جہاں شیوا بیانی سے ہے اُن کی باخبر
راس تھی آب و ہوا تیری سخن کو جس قدر   سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوائے غاتفر[8]

حُسن صورت میں اگر ضرب المثل نوشاد[+] تھا
حُسن معنی تیرا حصّہ اے جہاں آباد تھا

لیکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم   جنمیں تھی اسلامیوں کی چار سو عالم میں دُھوم

---

[8] غاتفر سمرقند کے قریب ایک قطعۂ زمین ہے جہاں کا سرو خوبی و زیبائی در راستی میں ضرب المثل ہے ۱۲ [+] نوشاد اور خلّخ دو شہر قدیم ترکستان میں تھے جو حسن خیزی میں مشہور تھے ۱۲

دولت و اقبال کا جب تک رہا تجھ پر ہجوم کھیتیوں پر تیری ابر آتے تھے اُٹھ کے جھوم جھوم
آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصلِ خزاں
تیری سرحد میں رہا ہر علم و دانش کا سماں
جسطرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام تھے تمدّن میں بھی پیرو تیرے جمہورِ انام
آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام
رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں
طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں
رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چند سال ڈھل گئے سانچے میں گویا اُسکے عادات و خصال
آکے بن جاتا تھا یہاں نقصان انسان کا کمال تیرے پرچھاویں سے موتی بن کے جاتے تھے سفال
آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یہاں
چار دن میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یہاں
ترا معمورہ تھا اک عالم میں مرجع اور مآب آن کر لیتے تھے یہاں ٹھیکی جہاں کے انتخاب
بستے تھے اطراف سے آ آکے تجھ میں شیخ و شاب کر دیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب
جمگھٹا تھا تجھ میں تُرک و فُرس و رُوم و زنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگا رنگ کا
لیکن آخر طبع دوراں کا ہے. جیسے مقتضا ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جب کہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا وقت اے جانِ جہاں تیرا بھی آخر آلگا

گردشِ افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وا
تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کرنے بہار
تجھ پہ اے دار الخلافت انقلاب آنے لگے   غیب سے تجھکو تباہی کے خطاب آنے لگے
طالعِ مشفق کے پیغامِ عتاب آنے لگے   تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے
دولت و اقبال کا بندھنے لگا رخت سفر
تجھ سے اے دار العلوم اُٹھنے لگا علم و ہنر
ہو گئے تیرے محدّث راہیِ دار السلام   کر گئے دنیا سے رحلت تیرے مفتی اور امام
ہو گیا رخصت جہاں سے تیرا جاہ و احتشام   رفتہ رفتہ ہو گئی سب صاحبی تیری تمام
مجلسیں برہم ہوئیں یروزبر دیواں ہوئے
خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویراں ہوئے
چل دیئے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر اور ادیب   مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئے تیرے طبیب
جاگ جاگ آخر سدا کو سو گئے تیرے نصیب   اس گلستاں سے نہ اُٹھی پھر صدائے عندلیب
جنکو کھو بیٹھے نظیر اُن کا کہیں پایا نہ پھر
جو گیا۔ اُسکا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر
کر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر   گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
جھڑ گئے تاجِ شرف سے تیرے سب لعل و گُہر   تجھ کو اے دار الخلافت کھا گئی کس کی نظر
علم ہے باقی نہ اب دولت ہی تیرے پاس وہ

اے گلِ پژمردہ تیری کیا ہوئی بو باس وہ
دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا   بجھتے بجھتے تھا کچھ اک تو نے سنبھالا سا لیا
خاک نے یہاں تیری پھر اُگلے وہ لعلِ بے بہا   جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا
عہدِ ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھا گیا
خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آگیا
جاہ و مکنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ تھی   پر نہ کی عرضِ ہنر میں تو نے اب بھی کوتہی
اس بزرگی سے گذاری تیرھویں تو نے صدی   پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویرِ دورِ اکبری
علم دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم
ڈال دی پھر اپنی تو نے چار سو ہر فن میں دھوم
ملک میں ہر سو وہی پھر بول بالا تھا ترا   تھا جہاں علم و ہنر گودوں کا پالا تھا ترا
تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب اُجالا تھا ترا   پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا
چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا
چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا
علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیئے   واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے   کچھ مسیحا تھے کہ مُردوں کو جلا کر چل دیئے
ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
لے گئی سیلِ فنا اُسکو بھی اے دلّی بہا

جا چکی تھی تجھ سے گو اے شہر عظمت قوم کی   ہو چکی تھی آبرو مدت سے رخصت قوم کی
پر کچھ اک محمود خاں کے دم سے تھی پت قوم کی   اُٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آہ قسمت قوم کی

کیا دکھا کر اب دلائے گا سلف کو یاد تو
ناز اب کس پر کرے گا اے جہاں آباد تو

تجھ میں ہے دلّی! کوئی اب ایسا مقبولِ جہاں؟   نازشِ دار الخلافت مرجعِ ہندوستاں
ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا اندماں   بچّہ بچّہ کی زباں پر نام ہے جس کا رواں

نیم جانوں کا مسیحا اور غریبوں کا طبیب
خود حکیموں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ میں ہیرو ایسا یکتائے زماں؟   واقعاتِ زندگی کر دیجے گر اُس کے بیاں
سمجھیں اک افسانہ ناواقف اُسے اور داستاں   ہے تعجب خیز الحق سیرتِ محمود خاں

یا وہ اک جوہر الگ تھا جوہرِ انسان سے
یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے

اُس کا تھا دیوان خانہ مُلک کا دار الشفا   خلق کا دن رات رہتا تھا جہاں تانتا بندھا
مفت بیماروں کو اُسکے در سے ملتی تھی دوا   فکر نذرانہ کا تھا اُن کو نہ شکرانہ کا تھا

اُسکے استغنا سے جُھک جاتا تھا سر مغرور کا
اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اُسنے سمجھا مال و دولت کو سدا   تھے برابر اُسکے نزدیک اغنیا اور بینوا

گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں بے انتہا   کوئی مفلس کا نہ تھا پرسانِ حال اُس کے سوا
کرتے ہیں جو دعویٔ ہمدردیِ نوعِ بشر
اُس نے باطل کر دیئے تھے اُنکے دعوے سربسر

طبِ مسلمانوں کی لی اُسکی مسیحائی نے تھام   ورنہ اب تک اُسکی تُرکی ہو چکی ہوتی تمام
رونقِ طبِ جدید اور اُسپہ میل خاص و عام   درس گاہوں اور دواخانوں کا اُسکے انتظام
دیکھ کر تھا اک زمانہ اُس کی خوبی کا مُقِر
طبِ یونانی گئی تھی خلق کی نظروں سے گر

سرجنوں کے دیکھ دیکھ آلات و اعمالِ جمیل   آگیا تھا رایے میں زود اعتقادوں کی خلل
دیں مگر اُس کی مسیحائی نے سب رائیں بدل   طبِ یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل
سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی ہمت فزا
ایک طاقت اُسکے حملوں سے ہوئی عُہدہ برآ

گو کہ جاتے تھے شفاخانوں میں خاص و عام سب   پر اُلجھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب
خلق کا پھر ملجأ و ماوٰی تھا اُسیکا مطب   اُسکے بیماروں کو، گو مایوس ہوں یا جاں بلب
سوءِ تدبیر و معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا
موت کا ڈر تھا مگر مُہلک دوا کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہیں آلات پر سرجن بھروسا جسقدر   کرتے ہیں معلوم جو جو اُنسے امراضِ بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھکے اُنگلی نبض پر   اُسکی اک اُنگلی پہ تھے قربان سو تھرمامٹر

نارسا تھیں دوربینیں اہلِ صنعت کی جہاں
جا پہنچتی تھی نگاہِ دوربیں اُس کی وہاں

شہر کے سب مرد و زن پیر و جواں۔ خُرد و کلاں   تھے قوی پشت اُس سے ایسے جیسے پشتہ سے مکاں
جسکو نسخہ دیدیا لکھکر وہ یہ سمجھا کہ ہاں   زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہیں یہاں

گو کہ ماتم ملک میں ہے اُسکا ہر سو آج کل
پر گئی اے شہر تیری جان ہی گویا نکل

کیا عجب پیدا ہوں پھر ایسے طبیب اور چارہ گر   جو کہ تشخیصِ مرض میں رکھتے ہوں غائر نظر
خلق کو تکیہ ہو جن کی رائے اور تدبیر پر   شہر میں ہوں مرجعِ کل۔ ملک میں ہوں نامور

جمع ہوں محمود خاں کے ذات میں اُنکی کمال
ہے یہ سب ممکن۔ مگر محمود خاں ملنا محال

راستی اور راستبازی اُس کی تھی ضرب المثل   اُسکے کاموں میں ریا تھی اور نہ باتوں میں دغل
امتحاں کے وقت جب تھا نظمِ عالم میں خلل   راستبازوں کی گئی تھی ٹھیک جب ہر سو نکل

کھوٹ سے اُس آنچ میں نکلا وہ خالص اسطرح
آگ میں تپ کر کھرا رہتا ہے کُندن جسطرح

وہ زمانہ جبکہ تھا دلّی میں اک محشر بپا   نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غُل پڑ رہا
اپنے اپنے حال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا   باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا

موج زن تھا جبکہ دریائے عتابِ ذوالجلال

باغیوں کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھکر یاروں کو جب آنکھیں چُراجاتے تھے یار   ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دوچار
یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار   شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
جل نہ جائیں اُسکے شعلے سے کہیں خشک و تر

ہو رہا تھا جب کہ کھوٹے اور کھرے کا امتحاں   کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پُتلا عیاں
ایک جانب تھی اگر خندق تو اک جانب کنُواں   بال سے باریک تر تھی راہ اُن کے درمیاں

راہرو دُگدا میں تھے اور راہ پُرخوف و خطر
اُسنے دکھلایا کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ پر

مجرم و بے جرم میں تھا حاکموں کو اشتباہ   عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ
مجرموں کے جرم پر دیوار و در تھے سب گواہ   پر نہ تھا کوئی شفیع اُن کا کہ جو تھے بے گناہ

ایسے نازک وقت میں مردانگی جو اُسنے کی
اہلِ انصاف اُسکو بھولے ہیں نہ بھولینگے کبھی

بالیقیں جن ملزموں کو اُسنے سمجھا بے خطا   مارشل لا میں ثبوت اُن کی صفائی کا دیا
چین سے بیٹھا نہ جب تک ہوگیا اک اک رہا   جو کہ تھے نادار کی اُن کی اعانت برملا

زر دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا
بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

قضیے جھگڑوں میں کبھی پڑنے کی خو جسکی نہ تھی   دی گواہی جسنے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
جسنے صورت تک عدالت کی کبھی دیکھی نہ تھی   ہاتھ سے جسنے بڑوں کی آن اب تک دی نہ تھی

بیگناہوں کے لیے وہ رات دن چکر میں تھا
پانو ایک اُسکا عدالت میں تھا اور اک گھر میں تھا

جبکہ عنقا تھی دیانت بَینَ ابناء الزماں   تھی امانت جسکی اُسکے پاس ہلکی یا گراں
خوف میں پاس اپنے رکھا اُسکو مثلِ پاسباں   کی حوالے مالکوں کے جب ہوا امن و اماں

ایک عالم ناخدا ترسی میں جب بیباک تھا
اُسکا دامن تھا کہ ہر دھبّے سے بالکل پاک تھا

وضعداری میں نہ تھا اُسکا زمانہ میں بدل   وضع میں اُسکی تغیر تھا نہ عادت میں خلل
وقت کی تاثیر کا اُسپر نہ چلتا تھا عمل   انقلابِ دَہر کی زَد سے گیا تھا وہ نکل

اُسکے آگے اِن نئے سانگوں کی کچھ ہستی نہ تھی
اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار   اُسمیں فرق آیا نہ وقتِ واپسیں تک زینہار
کوہ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار   وضع اُسکی۔ جو کہ تھی وضعِ سلف کی یادگار

قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہد عالمگیر و اکبر شاہ کی تصویر تھی

سر پہ دنیا کے علایق کا تھا گو بارِ گراں   پر ہر اک حالت میں ہلکی پھول سی ہستی تھی جاں

پابگِل دنیا میں۔ پر دنیا کے غم سے برکراں   رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شاد ماں
ظاہرا پابند تھا دنیا کی رسم و راہ کا
دل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا
منقبض اسکو نہ مکروہات میں پایا کبھی   غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی
دل کسی بادِ مخالف سے نہ کملایا کبھی   تلخیِ دوراں سے چتون پر نہ میل آیا کبھی
کی بسر دار المحن میں بزمِ عشرت کی طرح
عمر کاٹی دوزخِ دنیا میں جنت کی طرح

مٹ گئی افسوس اک ایسی سلف کی یادگار   قوم میں جس کی مثال آئندہ کم دیکھیں گے یار
گل کھلائے گی نئے گلشن میں اب بادِ بہار   رنگ ہوگا جن میں لیکن بو نہ ہوگی زینہار
کرتے ہیں جب ان حوادث کے نظر انجام پر
قوم میں اک ہمکو سناٹا سا آتا ہے نظر

اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق روزگار   اہل علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم میں شمار
ایسے حاصل خیز دنیا میں نہ ہوں گے کشتزار   جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار
مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یہاں
سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یہاں

یا یہ اب پہنچی ہے ہم میں نوبتِ قحط الرجال   ایک اُٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحب کمال
دوسری ملتی نہیں دنیا میں پھر اُسکی مثال   ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بیہمال

ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالی سخن میں تھی بہت وسعت کبھی   تھیں سخنور کے لیے چاروں طرف راہیں کھلی
داستان کوئی بیاں کرتا تھا حُسن و عشق کی   اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی
گاہ غزلیں لکھ کے دل یاروں کے گرماتے تھے لوگ
گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

پر ملی ہم کو مجالِ نغمہ اس محفل میں کم   راگنی نے وقت کی لینے دیا ہمکو نہ دم
نالہ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جاکر نہ سم   کوئی یہاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم
سینہ کوبی میں رہے جب تک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

۱۵۔ ترجیع بند مرتبہ سنہ ۱۸۹۲ء مطابق سنہ ۱۳۱۰ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا

یہ خاک ۔ آج جس پر ہیں جمع اہلِ آرا   یہاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا
اس باغ میں بہاریں جو جو گذر چکی ہیں   آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا
کل جشنِ فتح تھا یہاں ہے آج جشنِ شادی   ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلبن کے آج مہماں خاقاں ہیں اور سلاطیں   اصطخر ہے کہ دلی بلبن ہے یا کہ دارا

فیروز شہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد　　دولھا بنا ہوا ہے تزئیں سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل　　بہر مدافعت ہے میدان میں صف آرا
مغلوں کے اُڑ رہے ہیں کل جشن فتح و نصرت　　تیمور سے زمانہ ہے برسرِ مدارا
آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح پا کر　　ہیں شوقِ شاہِ نو میں پیر و جواں خود آرا
کل سُوریوں میں ہر سو بجتے ہیں شادیانے　　مغلوں کا آرہا ہے گردش میں کچھ ستارا
ہے جشن فتح پھر آج چغتائیوں میں برپا　　اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا
جس دُھوم سے ہے گھر گھر جشنِ جلوس اکبر　　ہے گرد اُسکے آگے جشنِ قُباد و دارا
شاہِ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا　　تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارہ
طیاری اس خوشی میں جشنِ عظیم کی ہے　　گویا کہ ہے جہاں میں جشنِ سدہ※ دوبارا
اطرافِ ہند سے ہیں اعیانِ ملک آئے　　پا کر حضورِ شہ سے سب جشن کا اشارا
ارکانِ سلطنت ہیں سب پائے تخت حاضر　　بالائے تختِ طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنے والے گو خاک میں نہاں ہیں
پر جشن اُنکے اب تک سب زیبِ داستاں ہیں

اے خاکِ پاکِ دہلی اے تختگاہ شاہاں　　پیشِ نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و ساماں
ہنگامے اس زمیں پر لاکھوں ہیں گرم ہر سو　　پر کوئی جشنِ قومی آتا نہیں نظر یہاں
تقریبِ جشن جسمیں ہو کچھ نہ جز اُخوت　　ملکوں سے جمع آکر جسمیں ہوئے ہوں اخواں
پائین و صدر کا ہو جسمیں نہ کچھ تفاوت　　خُرد و بزرگ کی ہو جسمیں نشست یکساں

※ سدہ آگ کو کہتے ہیں جشن سدہ وہ جشن ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا مین سب سے اول جمشید نے پتھر مین سے آگ نکلنے کی خوشی مین بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۲

جن کو نہ ہو بُلاوا حاکم کا اور نہ قدغن
لایا ہو کھینچکر دل اُنکو نہ حکم سُلطاں

خادم ہوں جسقدر وہاں مخدوم قوم کے ہوں
مخدوم جتنے ہوں وہاں سب قوم پر ہوں قرباں

خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ وہاں تواضع
ہوں خود ہی میزباں وہ اور خود ہی ہوں وہ مہماں

ٹھیرائیں جسکو چاہیں وہ آپ میر مجلس
چاہیں جنھیں بنائیں وہ آپ میر ساماں

آئے ہوں اس غرض سے سب ملکے تاکہ سوچیں
دنیا میں کسطرح ہوں سرسبز پھر مُسلماں

ہندوستاں میں کیونکر باقی رہے نشانی
اُس قوم کی کہ تھا کل جنکے وہ زیر فرماں

نکلیں تو کیونکہ نکلیں ذلت سے وہ گھرانے
اعزاز نے تھا باندھا جنکے بڑوں سے پیماں

اُن مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ
جنکے سبب سے ہے زندہ نامِ حدیث و قرآں

جو مسجدیں ہیں بہرِ ذکرِ خدائے واحد
محفوظ حادثوں سے کیونکر ہوں اُنکے ارکاں

جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں وہ ہوگا
اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرضِ انساں

ای شہ نشینِ اسلام ای معدنِ سلاطیں
ای پایۂ تختِ سادات ای وارثِ ملک مغلاں

تو جشن گاہ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے؟

شاہوں کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے
شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے

دولت کے تھے وہ جلوے ملت کا ہے یہ نقشہ
کاغذ کی تھیں وہ ناویں بیڑا یہ نوح کا ہے

بے روح تھے وہ قالب ہے اسمیں روحِ خوشی
موجِ سراب تھے وہ یہ چشمۂ بقا ہے

میلے نہ وہ بچھڑتے روح اُنمیں گر یہ ہوتی
رہتا ہے آندھیوں میں روشن یہ وہ دیا ہے

وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر
اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا
یہ چھت نہ سمجھو سر پر یہ سایۂ ہما ہے
گم گشتہ بخت جسکو پھرتے ہیں ڈھونڈھتے ہم
لگتا ہے کچھ تو اُس کا لگتا یہیں پتا ہے
وہ مشکلیں کرینگے اب حل ہمیں تمھیں کچھ
جن مشکلوں کا ہمکو اور تمکو سامنا ہے
ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجمن کے
معذور ہیں وہ اُنسے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
فوجِ کمک کو اکثر سمجھا ہے فوجِ دشمن
حملہ کمک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے
نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہے جب دن
انساں سے یہ ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہوگی ہمکو
ابتک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے
ہوتی ہے قدر ان کی بنتی ہے جان پر جب
لاتے ہیں تب یہ ناویں جب بیڑا ڈوبتا ہے
گو سب جہاز والے خطرے سے بیخبر ہیں
پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفات بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب

ہنستے ہیں ناخدا پر روتا ہے ناخدا جب

گلشن میں فصلِ گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں
پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں
طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغباں ہیں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی
بیفکر و بیخبر ہیں بوڑھے ہیں یا جواں ہیں
اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
رستہ کدھر ہے انکا اور جا رہے کہاں ہیں
فضل و کمال اُنکے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا   کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں
تم سے تھمے تو تھامو عزت کو قوم کی کچھ   اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یہاں ہیں
اک خضر رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے   رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں
خدمت میں انکی حالی کہتا ہے یہ ادب سے   اسوقت رونق افزا یہاں جتنے مہرباں ہیں
دنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو   ورنہ بگڑنے کے یہاں آثار سب عیاں ہیں
عرصہ ہوا کہ ہمکو آنکھیں دکھا رہے ہیں   قدرت کے قاعدے جو دنیا پہ حکمراں ہیں
جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک   قومیں وہ چند روزہ دنیا میں میہماں ہیں
گھڑیال اور مگرمچھ ہیں انکو نگلے جاتے   دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
سنبھلو۔ وگرنہ رہنا یہاں اس طرح پڑیگا   بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشاں ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روز بد دکھائیں
دھندلے سے کچھ نشاں ہیں ڈر ہے کہ مٹ نہ جائیں

اشعار متفرقہ

اِنمیں اکثر وہ اشعار ہیں جو لوگوں کی فرمایش سے خاص خاص موقعوں پر اُردو یا فارسی وغیرہ میں لکھے گئے ہیں

تمہید رقعۂ شادیِ عروسی

شکر کیجے کونسی نعمت کا خالق کی ادا
ایک سے ہی ایک نعمت اُس کی بندوں پر سوا
اُس کی قدرت کے خزانوں میں نہیں ہرگز کمی
جس نے جو مانگا وہی اُسنے مہیّا کردیا
نخلِ تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو
سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب اور ضیا
کھیتیوں کو مینہ دیا ماں باپ کو اولاد دی
اُس سے دی دنیا کو رونق اس سے آنکھوں کو جلا
عمرِ روز افزوں عطا فرمائی پھر اولاد کو
کل چھٹی تھی جن کی۔ ہے دن آج اُنکے بیاہ کا
آؤ اُسکے شکر میں سب مِلکے باہم شاد ہوں
تاکہ صورت سے ہو ظاہر شکرِ انعامِ خدا

ایضاً

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو
لب آب یا صحن گلزار ہو
گل و لالہ ہو یا ہو عطر و گلاب
مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و رباب
یہ سارے خوشی کے ہیں ساماں جب
کہ ہوں ایک جا جمع احباب سب
بزرگوں سے محفل کی شوکت بڑھے
عزیز اور پیاروں سے عزت بڑھے

جہاں اس طرح جمع ہوں چار یار   ہیں اُس بزم پر لاکھ گلشن نثار

ایضاً

شکر کہ از فضلِ خدائے جہاں   وقتِ خوش از پردہ بر آمد عیاں
شادیِ دل را سبب آمد بدست   فرصتِ بزمِ طرب آمد بدست
تا شود از مقدمِ اہلِ کرم   کلبۂ ما غیرتِ باغِ ارم

ایضاً

رفت آسیبِ زمستاں بادِ نوروزی وزید   دوستداراں را بشارت باد و یاراں را نوید
طرحِ بزمِ خرّمی با ہمدگر باید نہاد   نغمۂ شکرِ الٰہی دمبدم باید کشید

ایضاً

سلامٌ مِن مُحِبٍّ مستکینٍ   یلیه الخیر والبرکاتُ تَترٰی
سلامٌ رِدفُهٗ رَوحٌ وراحٌ   وبَینَ یدَیهِ للاُحبابِ بُشرٰی
ودَعوةُ شَاهِدینَ وغائبِینَا   مِنَ الاِخوانِ والخِلّانِ طُرًّا

خاتمۂ رقعۂ شادی

فَاَطیَبُ العَیشِ فِی الدُّنیا واَرغَدُهٗ   رَهِینَةٌ بِزِیَارَاتِ الاَحِبَّاءِ

ایضاً

ہزار دیدہ و دل فرشِ راہِ یارانے   کہ از مسرتِ یاراں مسرت اندوزند
بہ شادی و طربِ ہمدگر شوند انبار   ہزار رخ ز فروغ دلے بر افروزند

ایضاً

کارِ احباب ساختن بتواں   دوستاں را نواختن بتواں
تا بہ دہر ابر و باد خواہد ماند   از شما لطف یاد خواہد ماند

اشعارِ غزل ناتمام

اس زندگی کے ہاتھوں چین ایک دن نہ پایا   یہ جان ہے بدن میں یا خار پیرہن میں
حاضر ہو جب نہ دل ہی ہے باغ و راغ یکساں   ہم دوستو گئے بھی - تو کیا گئے چمن میں
ہے اک خراش دل میں - ڈر ہے کہ بھر نہ آئے   زخمی ہے قیرواں میں اور مشک ہے ختن میں
تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہے ورنہ   اے فاختہ دھرا ہے کیا سرو و نارون میں

ایضاً

کس قدر یارو ہوا ہے انقلاب   آگیا یاروں کے اقراروں میں فرق
خود بتا دے گا تمہیں دورِ زماں   بے وفاؤں اور وفاداروں میں فرق
اِن پہ ہم قرباں ہیں وہ ہم پر نثار   ہے بہت پیاروں میں اور یاروں میں فرق

ایضاً

گر نہ ہو نیتِ گدا میں فرق   آئے کیوں شاہ کی عطا میں فرق
ہیں وفادار اور بھی لیکن   ہے مری جاں وفا وفا میں فرق

اشعارِ قصیدۂ ناتمام

یادِ ایام کہ تھی باغِ جوانی پہ بہار   نظر آتا تھا خزاں میں بھی زمانہ گلزار

نشہ میں چور تھے اک بادۂ پر زور کے ہم
جسکا رحمت میں نہ کلفت میں اُترتا تھا خمار
سر پہ وہ دیو قوی آکے چڑھا تھا اپنے
یاد تھا جسکا نہ عامل کو نہ سیانے کو اُتار
روکتا تھا نہ جسے غار نہ خندق نہ کنواں
تھے ہم اُس توسنِ سر زور پہ دن رات سوار
رہتے تھے اُس شترِ مست کی صورت بے قید
ہاتھ سے جسکے شترباں کے چھٹی ہو مہار
پند گو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دلسوز
اُن کی صحبت سے تھے اُتنے ہی زیادہ بیزار
خیر خواہ اور تھے غمخوار و مربی جتنے
انکی صورت سے ہمیشہ ہمیں چڑھتا تھا بخار
ملکے ہمجولیوں سے جان میں جان آتی تھی
ہنسنے اور بولنے پر زیست کا تھا اپنی مدار
اب اُمنگیں ہیں وہ دلمیں نہ ترنگیں باقی
تیرے اے عمر گئے اب وہ کہاں لیل و نہار

صدائے گدایانِ قوم

ڈھونڈھنے خضرِ مبارک پے کو یہاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم
ڈر ہے جو خوشدل ہیں وہ سُنکر نہوں پژمردہ دل
سخت عبرت خیز لیکر داستاں آئے ہیں ہم
ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن
لیکے اُسکا مژدۂ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم
علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے
آج اس در پر اُسیکے نوحہ خواں آئے ہیں ہم
قوم کھو بیٹھی ہے جو **عباسیوں** کی یادگار
جستجو میں اُسکی مشعل لیکے یہاں آئے ہیں ہم
تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
اسلیئے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم

---

8 پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت لوگوں نے جنھوں نے اپنی جماعت کا نام گدایانِ قوم رکھا تھا ریاست بہاولپور میں چندہ وصول کرنیکے لیئے جانیکا ارادہ کیا تھا۔ اُنکا قصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا لیکن غالباً اُنکا جانا نہیں ہوا۔ چونکہ رئیس بہاولپور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اسلیئے یہ مضمون اسطرح ادا کیا گیا ۱۲

خود غرض ٹھیرائیں یا مکّار ہمکو یا گدا ذلّتیں یہ کر کے سب خاطر نشاں آئے ہیں ہم
فخر سب بیجا ہیں اُنکے قوم ہے جنکی ذلیل فخر و عزت کے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم
ہے بنی ہاشم کی مہماں پروری ضرب المثل اسلیئے یہاں بن بُلائے میہماں آئے ہیں ہم
تشنگی اپنی بجھانی ہوگی اے آبِ حیات لیکے مونہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم

مژدہ قدوم حضور شاہزادہ ویلز در ہند

مژدہ ہو اہلِ مشرق اب دن پھرے تمھارے مغرب سے سوے مشرق آیا ہے مہرِ تاباں
گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے ہے ایسے گلہ باں پر گلہ کی جان قرباں
ہندوستاں بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم اے معدنِ بزرگی اے خاکِ انگلستاں
تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن ہم ہی بھی اِن دنوں ہیں قسمت پہ اپنی نازاں
مہماں ہے آج اُن کا اُس شاہ کا ولی عہد روئے زمیں کے سلطاں جسکے ہوئے ہیں مہماں

شکریۂ[8] عطائے مدرسۂ نواب غازی الدین خاں مرحوم واقع اجمیری دروازہ دہلی بحضور سر جیمس لائل لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب از طرف طلبائے

انگلو عربی سکول دہلی

آئیے اے دلّی کے دل آرا شہر دعا گو سب ہی تمھارا
شکر کا ہم کو گو نہیں یارا پر یہ ہے کہنا فرض ہمارا

---

[8] یہ نظم چونکہ [illegible] نہایت [illegible] طالب علموں کے لیئے لکھی گئی تھی تاکہ وہ بزبان [illegible] جمع ہو کر بطور کورس کے گانے کی تے میں پڑھیں اسلیئے بچوں کی سمجھ کے موافق [illegible] الفاظ جمع کرد[illegible]

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

ہے دلّی کے فخر کا یہ دن   شہر میں آیا شہر کا محسن
وصف تمھارا گو نہیں ممکن   رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

آپ نے ہم پر بھیجے ہیں افسر   کیسے کیسے رعیّت پرور
جن سے ہے ہندستان منوّر   فخر ہے انگلستان کو جن پر
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

آر کلارک احسان کا پتلا   آدمی کی صورت میں فرشتہ
تھا دلّی پر فضل خدا کا   تم نے جو دلّی میں اُسے بھیجا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

آب و ہوا سے شہر کی ساری   آئی تھی خلقت جان سے عاری
تم نے لگا کر نل اک باری   چشمۂ حیواں کر دیا جاری
جب تک شہر آباد رہے گا

نام تمھارا یاد رہیگا

یوں تو ہیں سب احسان مسلّم   سب سے ہے یہ احسان مقدّم
تھے تعلیم میں کم سب سے ہم   تم نے مدد کی اپنی پیہم
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

جوبلی کے جو خاص وظیفے   پانچ برس کو ہمکو ملے تھے
لطف سے میعاد اُنکی بڑھا کے   جیت لیئے دل آپ نے ہمسے
جبتک ملک آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

مدرسہ تھا بے ٹھور ہمارا   تھا نہ کہیں ٹکنے کا سہارا
مانگے تانگے پر تھا گذارا   مٹ گیا اب خلجان یہ سارا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

آپ کو ہم پر رحم جو آیا   گھر یہ عطا ہم کو فرمایا
حکم مرمّت کا بھجوایا   ٹوٹے پھوٹے کو بنوایا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

درس کے کمرے جنمیں ہیں اکثر قدرِ ضرورت سے کچھ بڑھکر
بورڈروں کے رہنے کو ہیں گھر کھیلنے کو میداں ہی سراسر
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

شہر میں جا کالج کو عطا کی کیں اصلاحیں آب و ہوا کی
شہر کی جو حاجت تھی روا کی شرطِ حکومت تمنے ادا کی
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

تم میں ہیں جو موجود فضائل وہ نہیں کچھ محتاجِ دلائل
لوگ سب اُنکے دل سے ہیں قائل او! سرلائل- او! سرلائل
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمھارا یاد رہیگا

اشعار مدحیہ

بحضور سر ڈینس افزٹپٹرک لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب- انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طرف سے

قیصرِ ہند کے ہیں سیکڑوں احسان جہاں اُنکا پنجاب پہ ہے سب سے بڑا یہ احساں
حکمراں آتے ہیں پنجاب میں ابتک جتنے ایک سے ایک کا پلّہ ہے عدالت میں گراں

جبکہ سر چارلس نے پنجاب کو چھوڑا اُسدم
وقتِ رخصت تھا ہر اک اُنکو بہ حسرت نگراں

حال جو ہوتا ہے بچوں کا بچھڑ کر ماں سے
یہی احوال تھا پنجاب کا بے وہم و گماں

جانشیں اُنکے ہوئے آنکے جب سر لائل
عہدِ سابق کو گئے بھول سب ابنائے زماں

شکر سے عہدہ بر آ اُسکے نہیں ہو سکتے
رحم و انصاف ہوا ذات سے جو اُنکی عیاں

اُٹھ گیا سر سے جب اس مُلک کے سایہ اُن کا
ہاتھ میں آپ نے لی آکے حکومت کی عناں

کار فرما تھے جب اضلاع میں پنجاب کے آپ
معدلت آپ کی اُسوقت سے ہے مشہور یہاں

حیدر آباد میں۔ میسور میں۔ کلکتہ میں
نیکنامی کے کیئے کام۔ رہے آپ جہاں

ہے یہ اب آپ سے اُمید کہ پنجاب میں بھی
مشکلیں آپ سے سب ملک کی ہونگی آساں

بعد سر لائل و سر چارلس کے سٹر ڈنیس بھی
چھوڑ جائینگے ہر اک دل پہ عقیدت کے نشاں

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دلربا امیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا
جب دور تیرے دل سے ہو جائیں گی سراپا

وہ عالمِ جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں
جائے گا ٹوٹ جس دم اُس کا طلسم سارا

جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہے تو نے اُسکو
تھا جو کہ تجھکو اپنا آرام دل سمجھتا

چل دینگے جب وہ سارے اُن بلبلوں کی مانند
بعد از بہار جو رُخ کرتیں نہیں چمن کا

جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ
کون آکے دے گا تجھکو اُسکے سوا سہارا

بے مہریوں سے تو نے جسکو کیا ہے غمگیں
تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا

جسطرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جاکر   پھر موسم خزاں میں آکر ہے ہمسے ملتا

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا   سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
تو ہے سرمایۂ عزت یا میں   تو ہے انسان کی دولت یا میں
ہے زمانہ میں بڑی بات تری   دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری
وقت سے ہنسکے یہ دولت نے کہا   تجھکو اے وقت نہیں عقل ذرا
ہے عجب۔ جس کو خدائی مانے   اُسکی تو خوبیوں میں شک جانے
سبز ہے گلشن دنیا مجھ سے   لیتے ہیں توشۂ عقبےٰ مجھ سے
نام اقبال ہے آنے کا مرے   لقب ادبار ہے جانے کا مرے
مجھ سے پاتے ہیں ہنر نشو و نما   علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال   لاکھ رکھتا ہو کوئی حُسن و جمال
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں۔ مگر   میں نہ ہوں۔ تو نہیں کچھ قدر بشر
چند روز آگئی میں جس کے کام   زندہ تا حشر رہا اُس کا نام
جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا   وہ سدا خوار و نگونسار رہا
مونہ ذرا جس کو لگا لیتی ہوں   اُس کی میں شان بڑھا دیتی ہوں
چاہتے ہیں مجھے سب خُرد و کلاں   پھرتے ہیں دُھن میں مری پیر و جواں

گر نہ ہوں میں تو کوئی کام نہ ہو   کسی آغاز کا انجام نہ ہو
کوئی حاجت نہ ہو دنیا کی روا   درمیاں گر نہ قدم ہو میرا
ہیں رُکھائی سے مری سب لرزاں   میرے اغماض سے ڈرتا ہے جہاں
جس سے دنیا میں نہ میں راہ کروں   ہو اگر شیر تو روباہ کروں
الغرض ہے مری وہ شانِ عظیم   کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
جڑ سمجھتے ہیں خوشی کی مجھکو   میری عظمت نہیں باور تجھکو
تو بتا فخر ہے تجھ میں وہ کیا   جسنے مجھ سے تجھے گمراہ کیا
وقت نے سُن کے کہا اے دولت   شک نہیں اسمیں ذرا اے دولت
ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے مگر   اپنی جڑ کی نہیں کچھ تجھکو خبر
تو جو اپنے پہ ہے نازاں اتنی   اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
کیجئے فرض تجھے گر چشمہ   تو ہوں اُس چشمہ کا میں سرچشمہ
میں ہوں یا تو ہے اساسِ امکاں؟   پہلے دریا ہے کہ مچھلی ناداں
تو جو کھیتی ہے تو رقب میں ہوں   تو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں
ہے قرابہ ترا اگر عطر آگیں   میں ہوں اُس عطر کی واللہ زمیں
ہے عبث تجھکو تفوّق کا خیال   تو ہے گر مال تو میں راس المال
جنکے قبضے میں ہوں ہیں اے دولت   تجھ پہ رکھتے ہیں وہ دستِ قدرت
لاکھ بار اُنسے اگر بھاگے تو   بڑھ کے جا سکتی نہیں آگے تو

اُنکی مٹھی میں ہے تو اے **دولت**　　طائرِ رشتہ بپا کی صورت
نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود　　جس کا نایاب ہی عالم میں وجود
کھو کے مجھکو کوئی پاتا نہیں پھر　　جا کے میں ہاتھ سے آتا نہیں پھر
ایک پل میری اگر دیجے گنوا　　لیجے ہاتھ اُس سے ہمیشہ کو اُٹھا
تو اگر اپنی لُٹا دے ثروت　　پل وہ ملتی نہیں پھر اے **دولت**
ہیں اسیواسطے جو اہلِ تمیز　　میری ایک ایک پل اُنکو ہے عزیز
میرے جو لوگ کہ ہیں قدرشناس　　ہے مِرا جاگتے سوتے اُنھیں پاس
جانتے ہیں حکما و عُرفا　　مجھکو سرمایۂ دین و دنیا
دل ہیں جن کے مری کچھ قدر نہیں　　اُن کی قیمت میں نہ دنیا ہی نہ دیں
نہ کوئی کام ہو اُن سے انجام　　نہ ارادہ ہو کوئی اُن کا تمام
نہ اُنھیں دین کی دولت ہاتھ آئے　　اور نہ دنیا کبھی اُن سے پتیائے
نہ ادا صوم ہو اُن سے نہ صلوٰۃ　　نہ ہو قدرت میں حج اُن کی نہ زکوٰۃ
نہ مدد اُنسے کچھ اپنی کی جائے　　نہ خبر اُنسے کسی کی لی جائے
گُن تو ہیں مجھ میں بہت اے **دولت**　　ہے مگر تنگ مجالِ فرصت
بس زیادہ نہیں مُہلت مجھ کو　　بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اسمیں ہے میرا سراسر نقصاں
کہ ہے انمول مری ایک اک آں

ناقصوں کے دعوے کاملوں کے سامنے فروغ نہیں پاتے

ہے لیاقت جنمیں کچھ قدرِ قلیل   اور سمجھتے آپ کو ہیں بے عدیل
اُن کو ایسوں سے نہیں ملنا روا   جو لیاقت رکھتے ہیں اُنسے سوا
اونٹ گر سمجھے بڑا اپنے تئیں   دیکھنا لازم پہاڑ اُسکو نہیں
سر میں ہے جگنو کے یہ سودا اگر   شے نہیں مجھ سے کوئی تابندہ تر
چاہیئے دن کو نہ نکلے زنہار   ورنہ ہوگا اپنے جی میں شرمسار

قطعاتِ تاریخ اور تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

راقم کو فی الواقع مادّۂ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہیں ہے۔ اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہے تو نہایت دقّت سے اکثر تخرجہ یا تعمیہ کے ساتھ اور کبھی حسنِ اتفاق سے بغیر اسکے بھی تاریخ سرانجام ہوئی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مادّۂ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور اُسپر صرف مصرعے لگا کر تاریخ کے خود مالک بن بیٹھے لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ گوئی کو جزوِ شاعری سمجھا گیا ہے اسلئے اکثر طوعاً و کرہاً یاروں کی فرمایش سے اور کبھی کبھی اپنی اُپچ سے بھی تاریخیں لکھنی پڑی ہیں۔

ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گنڈے کے لیئے آیا کرتے تھے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ عباسیوں کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا۔ لوگ ایک قفل کو بند کر کے اُسکے پاس لے گئے کہ اگر تو فی الواقع خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ تو یہ قفل بغیر کنجی کے کھولدے۔ اُسنے کہا بھائی میں نے نبوت کا دعوے کیا ہے۔ آہنگری کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اُنکا مطلب اِس نقل سے یہ تھا کہ ہمنے خدا کی طلب میں درویشی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور سیانا بھی بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک میں اُن لوگوں کا ہے جو شاعری میں بدنام ہیں۔ وہ او

توکسی مصرف کے سمجھے نہیں جاتے۔ اور درحقیقت ہیں بھی نہیں البتہ لوگوں کی غرض کبھی کبھی اُنسے اُسوقت متعلق ہوجاتی ہے جب کوئی مہتم بالشان واقعہ ظہور میں آتا ہے مثلاً کسی کے اصطبل کی مرمت ہوئی۔ یا گھوڑا اختہ کیا گیا۔ یا کسی کی مینا مر گئی۔ یا مرغ پالی جیتا۔ یا بلّی نے بچّے دیئے ایسے وقت میں شعرا کو مقابلہ کے امتحان کا موقع ملجاتا ہے۔ جو شخص مادّہ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمائش کے نزدیک سب سے اچھا نکال لاتا ہے اُسکا فی الجملہ اعتبار بڑھجاتا ہے راقم چونکہ تاریخ نکالنے میں سدا سے ہیٹا تھا اسلیئے ہمیشہ اس امتحان سے کترا تا رہا لیکن بُری بھلی چند تاریخیں جو کبھی کبھی دوستوں یا بزرگوں کی فرمائش یا اپنے دل کی خواہش سے لکھی تھیں اُنمیں سے جسقدر دستبہم پہنچیں دیوان میں شامل کردی گئیں۔ تاکہ دیوان کے ضروری اخلاط میں سے ایک خلط کم نہ ہوجائے۔

تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم دہلوی

غالب نے جبکہ روضۂ رضواں کی راہ لی ہر لب پہ آہِ سرد تھی ہر دل میں درد تھا
اُسدن کچھ اہل شہر کی فسردگی نہ پوچھ دنیا سے دل ہر اپنے پرائے کا سرد تھا
حالی کہ جسکو دعویِ تمکین و ضبط ہے دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا
تھا گو وہ اک سخنورِ ہندوستاں نژاد **عرفی و انوری** کا مگر ہمنبرد تھا

---

8 یہ تاریخ خود غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرعہ سے نکالی گئی ہے۔ اُنکی غزل کا مقطع یہ ہے "وہ یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ تن کی ہے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"، اخیر مصرع کے اعداد ۲۷۹۶ ہوتے ہیں۔ جب انمیں سے لفظ تاریخ کے عدد یعنی ۱۲۱۱ اور لفظ فکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا تخرجہ کیا گیا تو ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی اُنکا سال وفات ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۲۷۹۶ - (۱۲۱۱ + ۳۰۰) = ۱۲۸۵ھ

اس قافلہ میں آ کے ملا گو وہ سب کے بعد اگلوں کے ساتھ ساتھ مگر رہ نورد تھا
ہم اور صبح و شام یہ اندوہ جانگزا دل تھا کہ فکرِ سال میں بصد فرگرد تھا
ناگاہ دی یہ غالبِ مرحوم نے صدا (سچ ہے کہ خواجہ راہنمائی میں فرد تھا)
"تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیرِ فکر حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"
۱۱ ۱۲ ۳۰۰ ۶ ۹ ۷ ۲

تاریخِ وفات محمد ابراہیم جوان مرگ طالب علم بی اے کلاس دہلی کالج

محمد براہیم چوں ترکِ جاں گفت زنخلِ جوانی ثمر برنخوردہ
بگفتم زروئے الم سالِ فوتش بجاں آفریں جانِ شیریں سپردہ
۱۲۹۲ + ۱ = ۱۲۹۳ ھ

تاریخِ وفات سیّد خواجہ ناصر وزیر مرحوم دہلوی

جب ہوئے ناصر وزیر راہیِ ملکِ بقا سب ہوئے اندوہگیں شہر کے برنا و پیر
دل نے کہا ہر جگہ پھبتی ہے چیز اک جدا باغ میں نسرین و گل۔ چرخ پہ مہر منیر
عیش میں شعر و غزل۔ سوگ میں تاریخِ مرگ غیب سے آئی ندا "خلد میں ناصر وزیر"
۹۸ ۱۲ ھ

تاریخ طبع جغرافیہ مثال مؤلفہ خواجہ سیّد شہاب الدّین حسن صاحب دہلوی

وہ جغرافیہ جسکی تھی احتیاج   چھپا مژدہ اے طالبانِ کمال
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ   عیاں جس سے ہے ربع مسکوں کا حال
ملی طرفہ تراس کی تاریخ طبع   وہ خود طرفہ ہے جسنے قیل و قال
اگر سال ہجری کی ہے جستجو   تو جغرافیہ خوب دیتا ہے سال
۹۹ ۱۲ھ
ہو مطلوب تاریخ گر عیسوی   کہو اسکو جغرافیہ بے مثال
۸۲ ء ۱۸

تاریخ بہ پایاں رسیدن بنائے سید مہربانعلی مرحوم رئیس گلاؤٹھی در بلند شہر

علی آں سیدِ والا کہ باشد   بناش مہرباں جزوے ز اجزا
بود با ذاتِ او توام سیادت   چناں کز نام او مہر ست پیدا
چو ایں کاشانہ را بنیاد بنہاد   بعہدِ حاکمِ بیدار و دانا
گروس آں فیض گستر کز وجودش   شد ایں معمورہ چوں گلشن سراپا
چنیں گفتمش حالی سالِ تعمیر   مکان بے نظیر آباد بادا
۹۹ ھ ۱۲

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی خاں بہادر فرماں روائے ملک دکن

بہ سالِ فرخ و ماہِ سعید و روزِ فرخندہ   نظام الملک محبوبِ علی خاں آصفِ ثانی

بہ تختِ سلطنت بنشست و حالی گفت تاریخش
برائے شہ مبارک تاج و اورنگ جہانبانی
۱ ۰ ۳ ۱ ھ

تاریخ تالیف قواعد اردو مؤلفہ خواجہ شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جس کا
بیاں شافی ہے اور ترتیب محکم
کتابیں اس سے پہلے تھیں بہت سی
زیادہ حجم میں اور نفع میں کم
مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ
کہ ہیں جسمیں قواعد سب فراہم
وجود اسکا ہے گو سب سے مؤخر
پہ خوبی میں ہے اکثر سے مقدم
جو قیمت پوچھئے تو ہے بہت سہل
نہ دینار اسمیں لگتے ہیں نہ درہم
اگر نام اسکا تاریخی ہو مطلوب
تو ہے اے طالبو "اکسیر اعظم"
۱۳۰۲ھ

تاریخ رحلت نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم دہلوی

دردا کہ ضیاء دین احمد بربست
رختِ سفر از جہاں کہ جائے الم ست
۹ ۲ ۹
از طاق و ز ایوان و ز بزم و جلسا
بگسستہ بہ رحمتِ الٰہی پیوست
۱۱۰ ۶۸ ۴۹ ۹۴ — ۶ ۹۴

---

8 یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ میں سے جو کہ ضیاء الدین احمد کے اعداد ہیں ۳۲۱ جو کہ طاق۔ ایوان، بزم اور جلسا کے اعداد کا مجموعہ ہے تخرجہ کرکے باقی یعنی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمتِ الٰہی کے اعداد ہیں ملانے سے ۱۳۰۲ھ حاصل ہوتے ہیں اور یہی نواب مرحوم کا سالِ وفات ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہے ۹۲۹ (۱۱۰ + ۶۸ + ۴۹ + ۹۴) = ۶۰۸ + (۶۹۴) = ۱۳۰۲ھ

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

جواں مردِ آزادہ عاشق کہ نیست — در اقرانِ خود کس مر او را قریں
نہ صیاد و ہموارہ از حسنِ خلق — پئے صیدِ آزادگاں در کمیں
نہ سحار و پیوستہ ز افسونِ نطق — کشد ز آشیاں باز و شیر از عریں
ہمے بارد از جبہہ اش انبساط — اگر مہرباں ست و گر خشمگیں
نہ بینیش گہ سر کہ بر ابرواں — نہ یابیش افتادہ چیں بر جبیں
دو سال ست کافسونِ مہر و وفاش — ربودست صبرم ز جانِ حزیں
ولے دیر پیوندِ ناآشنا — کہ بودست فارغ ز مہر و ز کیں
ندانم کہ عاشق چہ افسوں دمید — کہ در باخت خود را بمہرش چنیں
سرِ رشتہ ہیہات دادم ز دست — سخن ز اسماں بود و رفت از زمیں
کنوں رانم از طبعِ دیوانِ سخن — کہ شد جلوہ فرما بہ نوعے گزیں
دریں روزہا کز صروفِ زماں — سخن شد مُہان و سخنور مَہیں
عروسِ سخن مے نیرزد بجو — بحسن ار بود غیرتِ حُورِ عیں
صد آباد بر عاشق و عزمِ او — کہ در دورِ ناسازگاری چنیں
ز معنی بہ بیگانہ و آشنا — فشاندست گنجینہ از آستیں

چو دیوانِ اردوئے عاشق کہ ہست   صنمخانۂ طرفہ گفتی ز چیں
بہ پیرایۂ طبع آراستند   شنیدند از ہر کنار آفریں
سخن کرش نبود آز شتے در جہاں   ز شادی نہ گنجید در پوستیں
چو حالی ہمے جست تاریخ طبع   صنمخانۂ عاشق آمد سنیں
۷ ۰ ۱۳ ھ

تاریخ بنائے چاہ در محوطۂ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈھ بحساب سال بعثتِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بحسن سعی جناب آنریبل سر سیّد احمد خان بہادر

بداہیت کیجئے گر سال ہجرت کی محرّم سے   تو کہئے سالِ بعثت کا مہِ شوال کو مبدا
کلام اللہ اُترا آخرِ ماہ مبارک میں   ہوا اس واسطے شوال مبدا سال بعثت کا
نکالے یہ مبارک سن جنابِ سید احمد نے   بنایا جس نے دار العلم میں یہ چشمۂ زیبا
ز روئے سال بعثت چونکہ تھی تاریخ کی خواہش   کہا ہاتف نے حالی سے کہ "چشمۂ فیض احمد کا"
۱۲ ے ۱۳ ہجری

تاریخ طبع ترجمۂ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارۂ تعلیمِ عام نے   ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب
دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی   اب ترجمہ اُس کا مرتب ہوا ہے خوب
ہیں لفظ دلکشا تو مضامیں ہیں دلنشیں   ہے ترجمہ نفیس تو طرزِ ادا ہے خوب

چھپکر ہوا تمام تو حالی نے یوں کہا
"دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب"
۸۲ ۱۸ عیسوی

تاریخ بنائے مہمان سرا در موضع مون واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

بحرِ کرمِ آں وزیر چند کہ باقی ست
نامِ بزرگانِ موں زبذل ونوالش
ساختہ منزلگہے چو بہر غریباں
تکیہ گہ ہر غریب آمدہ سالش
۷۷ ۱۸ ۶

تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران مآب نواب محمد مصطفےٰ خاں مرحوم دہلوی رئیس جہانگیرآباد متخلص بہ شیفتہ و حسرتی

جَزَاھُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنّٰتٍ وَّحَرِیْرًا
۷ ۷ ۲ ۱ ھ

آیۂ قرآنی میں بِمَا صَبَرُوْا جَنَّۃً وَّحَرِیْرًا ہے چونکہ تاریخِ وفات میں ایک عدد کی کمی رہتی تھی اسلیے جَنَّۃً کی جگہ جنّٰتٍ کردیا گیا ہے۔ جیساکہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجاے فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّۃُ نَعِیْمٍ کے ھُنَا رَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنّٰتُ النَّعِیْمِ کردیا ہے۔

چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدائد و آلام بے نظیر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیے تھے۔ اسلیے اس آیت کا مضمون اُنکی وفات کے نہایت مناسب

تصور کیا گیا۔ یعنی جناب باری نے بعوض اُنکے صبر کے بہشت اور بہشت کا لباس اُنکو عنایت کیا۔

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خاں مرحوم ولد اوسط نواب محمد مصطفٰے خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد

وَحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّۃٍ

۹۴ ۱۲ ہجری

چونکہ عزیز موصوف ایک وجیہ و شکیل آدمی تھے اور اُنکی وفات عنفوانِ شباب میں واقع ہوئی تھی اسلیئے یہ آیت اُنکی تاریخ وفات کے لیئے نہایت مناسب اور موزوں سمجھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے کہ "پنھائے گئے اُنکو چاندی کے کنگن" بجائے مضارع کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا اُنکی مغفرت ہو چکی، اور اہل جنت کے تمام حقوق اُنکو مل چکے۔

یہ ایک عجیب حُسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونو کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآمد ہوئی اور پھر ایک ہی سورت یعنی سورۂ دہر سے نکلی۔ اور دونوں آیتیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں۔

تاریخ بنائے آئینہ خانہ در ریاستگاہ بہاول پور

کَاَنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنَ الْقَوَارِیْرِ

۹۶ ۱۲ ہجری

قرآن مجید میں اصل آیت "اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ" ہے تاریخ میں بضرورتِ تکمیل اعداد اور نیز بمقتضائے مقام اِنَّہٗ کی جگہ کَاَنَّہٗ کردیا گیا ہے مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے اسلیئے قَوَارِیْرَ میں الف لام بڑھاکر اَلْقَوَارِیْر کردیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں جب سبا کی بادشاہزادی بلقیس اول ہی دفعہ وارد ہوئی تو اُسکو شیش محل کے صحن پر جسمیں آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے۔ اُسنے فوراً پائینچے چڑھا لیئے۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا "اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ" یعنی یہ تو ایک محل ہے جسمیں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ بنامیں اِنَّہٗ کی جگہ کَاَنَّہٗ کر دینے سے یہ معنی ہوگئے کہ گویا یہ وہی سلیمانؑ کا شیش محل ہے۔

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمایش سے جو اُسوقت بہاول پور میں ملازم تھے بھیجی گئی تھی مگر ایسا سنا گیا تھا کہ پسند نہیں آئی۔ نہ اسلیئے کہ اسمیں دو جگہ اپنی طرف سے تصرف کیا گیا ہے بلکہ اسلیئے کہ نواب صاحب کا نام اسمیں نہیں تھا۔

تاریخ ولادت فرزند در حرم سرائے نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ

۸ ۰ ۳ ۱ ھ

اس آیت سے سنین مطلوبہ یعنی ۱۳۰۸ھ اسطرح نکلتے ہیں کہ آیت کے جملہ اُولےٰ یعنی "حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا" کے اعداد ۱۶۵۴ ہیں۔ انہیں سے ھٰذَا کا تخرجہ اور مَلَکٌ کَرِیْمٌ کا بجائے اُسکے

تعمیہ کرنے سے ۱۳۰۸ حاصل ہو جاتے ہیں۔

تخرجہ و تعمیہ کا اشارہ گویا ”اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ“ سے نکلتا ہے۔ کیونکہ اس جملے کا ترجمہ اگر یوں کیا جائے کہ نہیں ہے ”هٰذَا“ مگر ”مَلَكٌ كَرِيْمٌ“، تو اس سے یہ مطلب مستفاد ہوگا کہ اوپر کے جملے میں هٰذَا کی جگہ مَلَكٌ كَرِيْمٌ رکھدو۔ اور اسطرح ۱۳۰۸ حاصل ہو جائینگے۔ اصل آیت میں حَاشَ لِلّٰهِ ہے بضرورت لام حذف کرکے حَاشَ کر دیا گیا ہے۔ آیت کا ترجمہ ہے (حاشاللہ یہ بشر نہیں ہے یہ تو ہو نہو کوئی معزز فرشتہ ہی) جو عورتیں زلیخا کی فریفتگی پر اُسکو ملامت کرتی تھیں جب حضرت یوسفؑ دفعۃً اُنکے سامنے آئے تو اُسوقت جو الفاظ اُنکے مونہ سے نکلے تھے اُنکو قرآن میں اسطرح نقل کیا گیا ہے۔

تاریخ وفاتِ مہین برادرِ راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر

سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

۳ ۱۳ ھ

یہ تاریخ برادر زادۂ راقم حافظ اخلاق حسین سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے والد مرحوم کی وفات سے چند روز بعد عین تلاوت کے وقت قرآن مجید سے اقتباس کی تھی جس سے بے کم و کاست سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مادہ ندرت سے خالی نہ تھا اسلئے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخوں کے ساتھ اس تاریخ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگِ مرقد پر جو کہ دلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے جوار میں واقع ہے کندہ ہے۔

قطعاتِ تاریخ از نتائجِ طبع جناب خواجہ امداد حسینؒ مرحوم متخلص بہ مظہر

چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخوں میں سے یہ چند قطعے باقی رہ گئے تھے اور انکی اشاعت کے لیئے کوئی اور موقع نہ تھا اسلیئے بطور یادگار کے انکو بھی اپنے دیوان میں شامل کر لیا گیا ہے۔

تاریخ وفات جناب مولٰنا قلندر علی زُبیری پانی پتی غفر اللہ لہٗ متخلص عالمؔ

آں قلندر علی وحیدِ زماں در نجابت زُبیری و سندی
خاکِ پانی پت از سکونتِ او در جہاں شد علَم بہ مُستندی
مُرد و با خویش بُرد حکمت و علم ماند خلقے بہ کوے نابلدی
جُز دلِ او کہ بود جملہ صفا نقدِ ہر کیسہ جیدست و ردی
جُز کتابش[ف] کہ بُد ہمہ حسنات درج ہر نامہ نیکی ست و بدی
گفت سالِ وفاتِ او مظہر رفت عالم[ف] بہ جنتِ ابدی
۹۳ ۱۲ ھ

تاریخ وفاتِ حافظ سعد اکبر مرحوم بانی مدرسۂ اسلامیہ پانی پت

[ف] کتاب سے مراد نامۂ اعمال ہے ۱۲
[ف] مولوی قلندر علی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے ۱۲

چو سعدِ اکبر آں یاری گرِ قوم   کہ مر اہلِ وطن را بود یاور
سوے جنت ز دنیا رخت بربست   ازیں غم تافت دلہا ہمچو آذر
دریغ آں نیک خواہِ جملہ احباب   دریغ آں غمگسارِ ہر برادر
دریغ آں درسگاہ اہلِ اسلام   کہ ماند از مُردنش بے برگ و بے بر
چنیں سالِ وفاتش یافت مظہر   شدہ جنت مقامِ سعدِ اکبر
۰ ۰ ۱۳ ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور نواب آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علیخاں بہادر دام اقبالہ فرمانروائے دکن

شاہِ دکن چوں نہاد حسبِ مرادِ عباد   افسرِ دولت بہ فرقِ پاے بر اورنگ داد
سالِ جلوسش خرد گفت کہ بے شر شدہ   فتنہ و فسق و فجور شر و فریب و فساد
۱ ۰ ۳ ۱ ھ

ایضاً

عیاں شد چو عیدِ جلوسِ نظام   بسے خوشتر از عیدِ وصلِ حبیب
خرد فرقِ اعدا تراشیدہ گفت   کہ "نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب"
۱ ۰ ۱۳ ھ

تاریخِ ولادت فرزندِ ارجمند در کاشانۂ اقبال حضور نظام دام اقبالہ

شد چو خورشیدِ شرف طالع بمشکوے نظام   قدسیاں گفتند شمعِ ملک و دولت آمدہ

مظہر اندر فکرِ تاریخِ ولادت رفتہ بود
عقل گفت "این لعل از کانِ شرافت آمدہ"
۱ ۰ ۱۳ ہجری

تاریخ مدار المہامیِ نواب میر لایق علی خان مرحوم در سرکارِ عالی

دوش کردم ز عقل چند سُؤال
کوست حلّالِ مشکلات و عُقد

گفتمش کے بود کہ شاہ دکن
بنشیند بہ مسندِ اَب و جَد

گفت جشنِ جلوسِ فرّخِ او
در ہزار ست و سیصد ست و اَحَد

گفتمش پس کہ باشدش دیوان؟
قرعہ بر لایقِ علی خاں زد

گفتمش سنگہا درین راہ است
گفت زودا کہ حق بہ خواجہ رسد

گفتمش خواجہ کے شود دیوان؟
گفت "حق میرسد بمرکز خود"
۱ ۰ ۱۳ ھ

تاریخ بنا و مرمت مسجد مولنا حاجی ابراہیم حسین صاحب انصاری اثنا عشری پانی پتی دام ظلہم العالی

جعفری[8] مذہبے بنا فرمود
بیتِ حق را کہ اعظم ست و قدیم

خبرش داد مُلہم صادق
کرد تعمیر کعبہ ابراہیم
۰ ۱۳ ھ

[8] بانی مسجد یعنی مولنا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور اُن کے چچا کا نام جعفر علی اور دادا کا نام صادق علی تھا یہ تینوں نام اور خود بانی کا نام قطعۂ تاریخ میں نہایت خوبی سے آیا ہے ۱۲

HYDER

تمت

اشتہار

دیوان حالی مع مقدمہ متضمن ماہیت شعر و شاعری

دیوانِ اردو مشتمل بر قطعات و غزلیات و ترکیب بند و رباعیات وغیرہ اور اوسکے اول مین ایک مبسوط مقدمہ جسمین شاعری کی حقیقت اور اوسکے حسن و قبح پر مفصل بحث کی گئی ہے از تصانیفِ جناب مولانا مولوی الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مقیم مدرسۃ العلوم علی گڈھ ابھی چھپکر تیار ہوا ہے۔ اور تین قسم کے کاغذ پر چھاپا گیا ہے۔

قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک

۱۔ کاغذ ولایتی۔ لوح مینا کاری بر کاغذِ چرمی…………… صہ ۲

۲۔ کاغذ ولایتی۔ لوح سادہ بر کاغذ آبی…………… ملے

۳۔ کاغذ سی رام پوری۔ لوح سادہ بر کاغذ آبی……………

جن صاحبون کو خریدنا ہو راقم کے پاس درخواست ارسال فرمائین۔ فوراً ویلیو پے ایبل پارسل کے ذریعے سے روانہ کیا جائیگا۔

راقم

سید عبد العلی از دہلی حویلی میر افضل مرحوم متصل کوچہ پنڈت